بابت ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۱۲ء نمبر ۱، ۲

تمدن

تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ اور علمی مضامین کا

مخزن

...الشیخ محمد اکرام بیرسٹر ایٹ لا محمد عبدالراشد الخیری دہلوی

فہرست مضامین

قاسم محمد عبدالراشد الخیری دہلوی
... پریس ... دہلی میں چھپکر شائع ہوا قیمت فی پرچہ ...

SV82

نسخۂ شہنشاہی شہرت

شاہی حکیموں کا دواخانہ یونانی نورتن۔ دہلی

سوز شائقین یہ مشہور قدیم دواخانہ نورتن اپنے خاندانی مجربات اور کل یونانی مرکب ادویات بے مثل بطریقِ احسن جوارشات خمیرے معجونیں وغیرہ نہایت صحیح اور عمدہ تیار کر کے دنیا بھر میں اپنی شہرت اور نیکنامی حاصل کر چکا ہے یہ دواخانہ معتمد الملک حضرت عالی جناب حکیم محمد احسن اللہ خانصاحب مرحوم کی یادگار رہے اور عالی جناب حاجی حکیم محمد بدرالدین خانصاحب کی سرپرستی میں مدت دراز سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہے یہ کوئی معمولی دواخانہ نہیں ہے اس نیکنامی اور ہر دلعزیزی کا نفیس ادویات کا شہرہ لنڈن آسٹریلیا۔ افریقہ۔ جاوا۔ عدن۔ وغیرہ میں ہے اس دواخانہ کو بڑے بڑے شاہی حکما کے خاندانی مجربات کا بھی فخر حاصل ہے۔

اس دواخانہ کی بڑی فہرست معہ جنتری طریق علاج مفت ملتی ہے

طلاء حیات — جوانی کی غلط کاریوں کے لیے اکسیر ہے کجی ولاغری کو بیحد مفید ہے فی بکس ایک تولہ دو روپے آٹھ آنے (۲؎)

حب مقوی باہ — اعضاء رئیسہ کی کمزوری کو دور کرتی ہیں سست کو چست نامرد کو مرد بناتی ہیں (۲۴ عدد) ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)

حب سوزاک — یہ گولیاں سوزاک کا بہت جلد روگ کھو دیتی ہیں قرحہ کو بہت جلد بھر دیتی ہیں (۲۰ عدد) ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)

حب جریان — یہ گولیاں منی کو گاڑھا کرتی ہیں اور بہتی کو روکدیتی ہیں باہ بڑھاتی اور رکاوٹ پیدا کرتی ہیں (۲۰ عدد) ایک روپیہ۔ (عہ)

نوٹ۔ ہر مندرجہ بالا دوا کی پوری مقدار کامل صحت کیلئے کافی ہوگی پرچہ ترکیب استعمال ہمراہ روانہ ہوگا

المشتہر

حکیم محمد یعقوب خان مالک دواخانہ یونانی نورتن دہلی بازار فراشخانہ


Yours most sincerely
Baghdad 15/6/1907

امہات الامہ

مولانا حافظ نذیر احمد صاحب۔ ایل۔ ایل ڈی۔ ڈی اویل

[illegible] تعمیل نہیں کرتے کسی حاکم کو نا ممکن التعمیل نہیں کہہ سکتے اگر

[illegible] کیا مرد اور کیا عورت دونوں سے حد شرعی

[illegible] مالی حقوق [illegible] رکھے ہیں دوسرا فریق مزاحمت کرتا

[illegible] ہیں یہ ہے خانہ داریوں میں فساد کی

[illegible] ہے۔ اِس بارے میں عورتوں

[illegible] نہ اپنی حالت اپنی ضرورت پر نظر

[illegible] اپنی چپٹر بنا رکھا ہے۔ ہمارے

[illegible] نے پہلی بی بی کی عین حیاۃ میں

[illegible] برس کی رفیق تھی صورت شکل

کی بدحسب اوسط اچھی خاصی صاحب اولاد بیٹوں کی جگہ بیٹے بیٹیوں کی جگہ بیٹیاں۔ بڑی بیٹی کے آگے ایک چھوڑ دو دو نیچے سیانا بیٹا ماشاءاللہ جس کی چھ مہینے پورے نہیں ہوئے بسم اللہ ہوئی تھی۔ گود میں ڈیڑھ پونے دو برس کی بیٹی بہو پورے دنوں۔ بزرگوں کے وقت کی جاگیر بحال۔ آمدنی بافراغت وافر۔ کبھی میاں بی بی میں ان بن سننے میں نہیں آئی مگر تہا کیا کہ بی بی کو مدت سے دھڑکن کا روگ تہا۔ کوئی کہتا تہا کہ آسیب کا سا خلل ہے۔ غرض بیچاری اکثر مریض رہتی تھی اور شاید یہی وجہ ہوئی کہ میاں نے دوسرا گھر آباد کیا پہلی کو خبر ہوئی تو پچھاڑ کہا کر زمین پر گریں کچھ دیر میں گلاب کے چھینٹوں سے ہوش آیا تو پیٹ پیٹ کر ہمسائے اور سارے کنبے کی عورتیں جمع کرلیں بہتیرا سمجھایا کہ خدا رکھے تمہارے سارے ارمان نکل چکے اب تم کیوں اپنی جان کھوتی ہو کملی تو بلا سے۔ باوجودیکہ میاں نے عدل مستطاع میں کمی کرنے کا خیال تک بھی نہیں کیا مگر یہہ نیک بخت گھر میں ان کے آنے کی روادار ہی نہوئی ایک ریختی گو شاعر نے یہ معاملہ نظم کیا ہے نظم کا ایک شعر کبھی کا سنا سنایا ہم کو بھی یاد ہے ؎

یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں	کروں کیا کہ تہہ سر کی چھاتی نہیں

ہم تو اسکو بھی بے انصافی سمجھتے ہیں کہ سارا الاہنا عورتوں کے سر پر تھوپ دیں۔ مرد بھی اپنی جگہ کون سے بھلے مانس ہیں عدل مستطاع کے لیے بھی بڑا ضابط آدمی چاہیئے۔ فی اکثر الاحوال تکثیر ازدواج کی اصلی محرک حسن پرستی ہوتی ہے اور حسن کا حال یہہ ہے کہ ایک ملک کے لوگ اعضائے خاص کی شکل و صورت اور رنگ اور وضع کی نسبت

ایک خاص قرار داد کر لیتے ہیں کہ اس طرح کے اعضا کو حسین سمجھیں گے اول تو مذاق حسن سب جگہ یکساں نہیں - انگریز کنجی آنکھوں اور بھورے بالوں کے شیدا ہیں ہم موتی چور آنکھوں اور کالے بالوں کے چینیوں نے ناک کو چہرے کی ہمواری میں خلل انداز سمجھ کر بچوں کی ناک پر کمانیاں چڑھا چڑھا کر ناک کو مٹا چھوڑا حبش میں کوئی ہمارے ملک کا گیہوں رنگ کا آدمی جا نکلے تو اوسکو مبروص سمجھکر اس کی چھاؤں سے دور بھاگتے ہیں حبشیوں کے ہونٹوں کو تو سنا ہوگا - لب زیریں تا بہ پستان رسیدہ لب زبریں زنخداں فروہشتہ - اختلاف مذاق پر طرہ یہ کہ ہر شخص کو اپنے مذاق کے مطابق حسن سے یکساں طور پر ہیجان ہوتا ہے - حالانکہ اعضا رخارجی کے حسن کو کیسا ہی ہو نفس خواہش میں کچھ بھی دخل نہیں مثلاً ہمارے شاعر ناک کی شان میں کہتے ہیں ؎

آتش حسن سے ایک شعلہ سرکش بنی

لیکن ہمارے نزدیک اگر کسی کی ناک اچھی ہو تو وہ - اسی ناک والے کی کام کی ہے وہ بھی اس صورت میں کہ اسکی قوت شامہ صحیح ہو نتھنوں کی راہ سے سانس کی آمد و شد میں رکاوٹ نہ ہو کسی غیر کو اس کی ناک سے کیا تعلق یہ ہے اولاد آدم کی سمجھ ؎

بر خیالے نام و شان و ننگ شان -

بر خیالے صلح شان و جنگ شان

با ایں ہمہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آدمی کی فطرۃ میں جہاں اور باتیں ہیں ایک بات یہ بھی ہے کہ اوائل عمر میں اسکی طبیعت جو رنگ پکڑ لیتی ہے وہ تا بزیست زائل نہیں ہوتا یعنی ہر شخص اپنے مذاق کے مطابق حسن صورت

طرف فطرتہً مائل ہوگا اور اس میلان میں اسپر کچھ الزام نہیں۔ غایت مافی الباب یہ میلان ہیچ ہے اصل قوت کا پس میلان کا برا بھلا ہونا موقوف ہے اصل قوت حسن یا قبیح ہونے پر اور اصل قوۃ خداداد یعنی فطری قوۃ ہے کہ عمر کی ایک حد خاص کو پہنچ کر خود بخود ظہور کرتی ہے اور تمام خداداد اور فطری قوتیں حسن ہیں اس واسطے کہ کسی مصلحت سے خدا نے دی ہیں احسن کل شی خلقہ۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ان خداداد قوتوں کے بدون کسی انسان کو انسان کامل نہیں کہہ سکتے ہیں۔ ہاں بعض قوتیں ایسی ہیں کہ ان کو بے احتیاطی سے عمل میں لایا جائے تو امن وعافیت میں خلل انداز ہوں جو عموماً کل مذاہب کی غرض وغایت ہونی چاہیے اور خصوصاً اسلام کی ہے سو اسلامی شریعت نے احکام وہدایت سے واضح طور پر احتیاط کا رستہ رکھا دیا کہ وہ مصلحت بھی فوت نہ ہو جس کے لیے وہ قوت دی گئی ہے اور امن وعافیت میں بھی کسی طرح کا خلل واقع نہ ہو ایسی ہی قوت ہے جسکی نسبت دیر سے بحث ہو رہی ہے کہ اسلامی شریعت نے عدل مستطاع کی قید لگا کر مردوں کو چار تک اجازت دینے سے ایک طرف ان اغراض کی حفاظت کی جو تکثیر کے بدون حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اور دوسری طرف عورتوں کے حقوق کی کہ ان پر بھی ظلم نہ ہو جس کی وہ برداشت نہ کر سکیں۔ عیسائیوں میں زناشوئی کا تعلق مرنے بھرنے کا تعلق ہے اور ان کے ہاں مرد عورت میں اسطرح کا تعلق ہوئے پیچھے وہ تعلق منقطع نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسطرح کی صورتیں واقع ہوتی رہتی ہیں کہ کسی وجہ سے میاں بی بی میں سازگاری ہو سکتی یا باقی رہ نہیں سکتی تو اس مذہبی نقص رفع کرنے کو ان لوگوں نے ایک عدالتی علیحدگی ایجاد کی

جس سے اسلامی طلاق اور خلع کا کام لیا جاتا ہے یہ اور عیسائیت کے ایسے کتنے اور نقص ہیں جن کو اسلامی شریعت نے پورا کیا مگر ناشکری کا کچھ علاج نہیں خیر تو عدل مستطاع میں بھی عورتوں کے حقوق کی رعایت ہے اور وہ طلاق سے آسان تر ہے مسلمان بیبیوں کو چاہیئے کہ اسے غنیمت سمجھیں اور اسلام کی احسانمند ہوں۔ عدل مستطاع کی شرط عورت اور مرد دونوں کے حق میں یکساں مفید ہے کہ عورت مطلقہ ہونے کی مصیبت سے بچتی ہے تو مرد مواخذہ بے انصافی سے ولعذاب الآخرة اکبر۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو مرد کا ایک اور فائدہ بھی استنباط کیا تھا کہ تکثیر ازواج مستلزم تکثیر عیال ہے۔ عدل مستطاع کی قید لگانے سے تکثیر ازواج میں کمی ہوگی تو عیال کی تکثیر میں بھی ضرور کمی ہوگی اور قلت عیال مستلزم قلت نفقات ہے یعنے جہاں تک تکثیر ازواج ہیں تکثیر عیال کا چنداں خوف نہیں اور مسلمان محدود تکثیر ازواج کے ساتھ بھی فارغ البال اور خوش حال رہ سکتے ہیں لیکن ہماری رائے میں شخصی حالات کو عیال کی تکثیر اور تقلیل میں بڑا دخل ہے ممکن ہے کہ بعض خانہ داریوں میں چار بیبیوں سے بھی کم میں عیال کثیر ہو جائے اور بہت میں نہ ہو بلکہ ہمارے ملک کے اکثر میں تو اکثر معاملہ بالعکس دیکھا جاتا ہے کہ بیبیاں بہت اور اولاد کم یا بالکل نہیں امام صاحب نے الا تعولوا کے معنے قلت عیال کے سمجھے حالانکہ لغت عربی کی رو سے یہ معنے الا تعیلوا کے ہوتے ہیں نہ الا تعولوا کے۔ اور قرآن میں الا تعولوا ہے نہ الا تعیلوا۔ بس تو وہی بات رہی کہ شارع اسلام کی

[illegible] اور آخرت کا عذاب (دنیا کے عذاب سے) کہیں بڑھکر ہے ۱۲

تکثیر ازدواج کی حد غایت چار بیبیاں دی ہے وہ بھی بشرط عدل اور عدل نہ ہوسکے تو نہ چار نہ تین نہ دو بس ایک اس کو بھی اجازت نہیں بلکہ ایک اعتبار سے تکثیر کی ممانعت ہی سمجھو کیونکہ عدل کی شرط کا پورا کرنا گو وہ عدل مستطاع ہی کیوں نہ ہو عقلاً نہیں تو عادۃً محال نہیں تو محال کے قریب ضرور ہے ؎

چار ٹکڑے کروں دل کے یہ نہیں ہو سکتا
مرغ کو دوں ایک نہ دوں لف کو دوں تل کو دوں

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ تمام اقوام متمدنہ روئے زمین میں اہل عرب کا تمدن پیٹ بھر کر بگڑا ہوا تھا ان ہی کی اصلاح کے لیے پیغمبر صاحب عرب میں مبعوث ہوئے ان ہی کی اصلاح کے لیے قرآن عربی زبان میں نازل ہوا بعد کو فرمان واجب الاذعان انا ارسلنک کافۃ للناس کے ذریعہ سے رسالت عالمگیر کردی گئی اس لیے کہ احکام قرآنی فطرت انسانی پر مبنی تھے اور فطرت انسانی تمام بنی آدم میں عام ہے عام تمدن کے ضمن میں اہل عرب کی خانہ داری خصوصاً بدتر سے بدتر حالت میں تھی ان کے ہاں بیبیوں کی کوئی حد نہ تھی۔ اگر ان کی خانہ داری کی ساری خرابیاں لکھی جائیں تو بجائے خود ایک مستقل اچھی خاصی کتاب لکھنی پڑے۔ قرآن اور احادیث سے جا بجا بہت سی خرابیوں کا پتہ لگتا ہے۔ ہم کو اس مقام پر اتنی ہی بات جتانی ہے کہ باوجودیکہ عرب میں عورت مرد کے مقابلے میں بہت ہی دبی ہوئی تھی اور عورتیں سبھی جگہ مردوں سے دبی ہوئی ہیں خدا نے ان کی فطرت ہی ایسی

ؔ اے پیغمبر ہم نے تم کو دنیا جہان کے لوگوں کے لیے بنا کر بھیجا ہے ۱۲

بنائی ہے تاہم اگرچہ وقت واحد میں وہ کئی مرد نہیں کرسکتی تھی پھر بھی وہ یکے بعد دیگرے جتنے شوہر چاہتی کرتی اور اس کی آبرو میں سر مو فرق نہ آتا۔

ہم ہندوستان کے مسلمانوں کی طرح نہیں کہ اپنے مذہب کو بالائے طاق رکھ کر اوروں کی بہت سی رسمیں اختیار کر بیٹھے رلے کاش ستی کی رسم بھی اختیار کر لیتے تو بیوہ عورت چتا پر بیٹھ کر چند منٹ میں جل بھن کر راکھ ہو جاتی تذروہ الریاح راکھ تو وہ اب بھی ہوتی ہے مگر چونکہ اسلام تو ایسی ظالمانہ رسم کو کیوں جائز رکھنے لگا تھا۔ رسوم کی رو سے وہ دوسرا نکاح کر نہیں سکتی گیلی لکڑی کی طرح سلگ سلگ کر بس عرب کی عورتوں کے حق میں ایک چھوڑ دو دوہری سہولتیں تھیں۔ ایک ملکی لباس کے مطابق یکے بعد دیگرے متعدد شوہروں سے نکاح کرنے کی دوسری اسلامی شریعت کے عدل کی۔ لیکن ہمارے ہندوستان میں پہلی سہولیت کا نام نہیں۔ عورت دوسرا نکاح کرے تو عزت آبرو سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ عورت تو عورت مرد کسی بیوہ عورت سے نکاح کر لے تو اوسکی اولاد کی نسبت ناطے کی مشکل پڑ جائے۔ یہی ہے ہمارا ایمان اور اسلام کہ پیغمبر صاحب کی بیبیوں اور ان کی بیٹیوں سے ہم شرافت میں بڑھ کر ہیں۔ مولویوں نے سمجھا بجھا کر اور مسلمانوں کا جم غفیر منہ سے نہ کہے تو دل میں کہتا ہے بہکا کر دو چار رانڈوں کے نکاح کرادیے ہیں تو اس سے داغ کفر و انکار قوم کے ناصیہ حال سے نہیں مٹ سکتا۔ ہم نے تو جہاں تک ہماری عقل نے یاری دی۔ تکثیر ازدواج کے بارے میں اسلامی شریعت کے حکم کو منصفانہ اور مطابق فطرت ثابت کرنے کی کوشش کی اس پر بھی اگر مسلمان قائل نہ ہوں تو اپنا

سرکھائیں او معلوم ہے کہ قائل نہوں گے مرد تو عدل کی قید سے گھبراتے ہیں۔ اَلاِنْسَانُ حَرِیْصٌ عَلٰی مَا مُنِعَ عورتیں عدل مستطاع پر قانع نہیں۔ ان وقتوں کے ایمان جیسے ضعیف ہیں ہمکو معلوم ہے اور ہم تو اس مسئلے پر ہرگز قلم نہ اٹھاتے مگر مخالفین الٹا چور کوتوال کو ڈانڈے اسی تکثیر کی وجہ سے آسمان کو تہو کتے اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے تقدس پر مونہہ آتے ہیں ہم حق بات سے سکوت نہ کرسکے وباللہ التوفیق +

تکثیر ازواج کا تجربہ اکثر امرا کو ہوتا ہے تو امرا کے فعل کی سند پکڑ کر عام مسلمانوں کو تکثیر کا مجرم ٹھیرانا نری ہیکڑی اور ہٹ دھرمی ہے امرا اور کون سے افعال میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا تفرقہ کرتے ہیں کہ تکثیر ازواج میں کریں گے دین تو رہا اپنی جگہ یہ دنیا کے نفع و نقصان میں کیا تمیز کرتے ہیں۔ بزرگوں کی کمائی بے دریغ اڑائے چلے جارہے ہیں اور انجام کار کا کبھی خیال نہیں کرتے

تو ان کی تکثیر کے تو ہم جوابدہ نہیں ہاں جب تکثیر کی شرع میں اجازت ہے اسکی حمایت کو ہم موجود ہیں پیغمبر صاحب کی تکثیر کو عام مسلمانوں کی شرعی تکثیر پر قیاس کرنا ایسا ہی قیاس مع الفارق ہے جیسا پیغمبر صاحب کو عام مسلمانوں میں جو وجہہ فارق ہے اسکو خود پیغمبر صاحب نے قرآن کے ان الفاظ میں صاف بتا دیا ہے

باقی صفحہ (۳۷) سے ملاحظہ ہو

فلسفہ بصر

(گذشتہ سے پیوستہ)

اب ریاضیین کا جسم شعاعی کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ اوسکے ٹھوس ہونیکا قائل ہے۔
دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ آنکھ سے جو اجسام مخروطی شکل میں نکلتے ہیں اور جنکا ایک کنارہ آنکھ سے ملا ہوتا ہے اور دوسرا مرئی سے۔ اجسام جسقدر آگے بڑھتے جاتے ہیں اونکی مجموعی حالت بدلتی جاتی ہے اور مبصر تک پہنچتے پہنچتے بالکل متفرق ہوجاتے ہیں ان اجسام میں سے جسقدر مرئی کے کناروں پر منطبق ہوتے ہیں انکے ذریعہ سے سطح مبصر اور اوسکے طول وعرض کا ادراک ہوتا ہے اور چونکہ یہ اجسام متفرق طور سے مبصر پر منطبق ہوتے ہیں اسلیے وہ اجزا اور مسام نہیں دکھلائی دیتے جو نہایت چھوٹے چھوٹے مبصر کی سطح میں پائے جاتے ہیں۔

حکماے ریاضیین کے تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو دیکھتا ہے تو آنکھ سے ایک شعاعی جسم سیدھا خط واحد کے طور پر نکلتا ہے اور آن واحد میں اپنے سریع السیر حرکت کی وجہ سے ممتد ہوکر مرئی تک پہونچ جاتا ہے۔ جب مبصر کی سامنے والی سطح اس خط کے نقطۂ اخیرہ سے مل جاتی ہے تو خط کو ایک نہایت سریع حرکت طولاً وعرضاً مرئی کی سطح پر ہوتی ہے اور وہ خط اب ایک جسم مخروطی کا قائم مقام بنکر ذریعۂ ابصار بن جاتا ہے۔

پہلا استدلال } زید آئینہ میں جو اپنی صورت دیکھ رہا ہے اوسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ زید کی صورت آئینہ میں اولاً اور آئینہ کی منطبعہ صورت آنکھ میں ثانیاً مرتسم ہوتی ہے کیونکہ اسکے مان لینے میں حسب ذیل خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

(الف نمبر۱) رائی کی صورت آئینہ کے کسی خاص حصہ میں منطبع ہوگی اور انطباع اسکا مقتضی ہے کہ آئینہ سے صورت زائل نہو حالانکہ صورت دیکھنے والا جب آئینے کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے تو پھر اوسکی صورت منطبع نظر نہیں آتی

(ب نمبر ۲) اگر انطباع تسلیم کرلیا جائے تو قابل دریافت یہ امر ہے کہ صورت آئینہ کے سطح پر مرتسم ہوگی یا عمق میں۔

(ا نمبر ۱) سطح میں اسوجہ سے مرتسم نہیں ہوسکتی کہ دیکھنے سے صورت آئینہ کے اندرونی حصہ میں محسوس ہوتی ہے اور انطباع سطحی کے تسلیم کرلینے پر اوسے آئینہ کے سطح پر اوسی طرح نظر آنا چاہیے جسطرح وہ وہ نقوش نظر آتے ہیں جو آئینہ کی سطح پر ہوتے ہیں۔

(ب نمبر ۲) عمق میں بھی انطباع صورت غیر ممکن ہے۔ کیونکہ صورت کی نسبت ہم یہ فیصلہ کر رہے ہیں کہ وہ آئینہ کے اندرونی حصہ میں منقوش ہوئی ہے اور ہمارے قرب و بعد کے ساتھ ساتھ قریب اور بعید ہوتی رہتی ہے اور کبھی ہمارے کثرت بعد کی وجہ سے صورت آئینہ کے انتہائی عمق سے زیادہ گہرے میں نظر آتی ہے۔ حالانکہ خارجی اشیا کا عمق اوس سے زیادہ نہیں ہوسکتا جس کو حس مان رہی ہے نیز وہ منظروف جو اس ظرف میں ہونگے اوس کے اصلی عمق سے زیادہ متجاوز بھی نہیں ہوسکتے ہیں۔

(ج نمبر ۱) انطباع مان لینے پر ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ ایک عظیم الجثہ چیز کی صورت چھوٹے سے آئینہ میں مرتسم ہوسکتی ہے۔ حالانکہ منطبعین کا تسلیم شدہ مسئلہ ہے کہ بڑی چیز کا انطباع چھوٹی چیز میں محال ہے۔ اور یہ ہمارے مشاہدے کے بالکل خلاف ہوگا کیونکہ ہم ایک سر بفلک پہاڑ کو ایک آئینہ میں دیکھ سکتے ہیں [1]۔

---

[1] اس قوی اعتراض کا منطبعین کیطرف سے ایک عامیانہ جواب دیا جاتا ہے کہ آئینہ میں جو صورت دکھائی دیتی ہے وہ مرئی کی شبح (ہیئت کذائی) ہوا کرتی ہے اور مرئی

چونکہ یہ سب دلیلیں انطباع کی نفی کر رہی ہیں - اسلیئے آئینہ میں صورت دکھائی دینے کے وجوہ تلاش کرنے سے بجز اسکے اور کوئی سبیل نظر نہیں آتی کہ علم المرایا والمناظر کے مسئلہ کی پیروی کیجائے -

علم المرایا والمناظر کا مسئلہ ہے کہ جب دو آئینے یا اور کوئی صیقل شدہ چیزیں محاذات میں ہوں اور شعاعیں ایک جانب کے آئینے یا صیقل شدہ آلہ پر پڑیں تو اُسکی جلا سے شعاعیں منعکس ہو کر محاذی کے آئینہ یا آلہ پر پڑتی ہیں چونکہ یہ شعاعیں اون پہلی شعاعوں سے علاوہ نہیں ہوتیں اسلیئے اونکا قاعدہ وغیرہ بھی اصلی ہی قاعدہ وغیرہ ہوا کرتا ہے لہذا جو چیزیں پہلے آئینہ یا آلہ میں دکھائی دیں گی اون شعاعوں کی وجہ سے دوسرے آئینہ میں بھی محسوس ہونگی - بعینہ قوت باصرہ کی بھی یہی کیفیت ہے دیکھنے والا

خود نہیں ہوتا اور یہ صورت مرئی کی دیکھنے کا آلہ ہوتی ہے" ہمارا قاعدہ بالکل صحیح ہے کہ بڑی چیز کا چھوٹی چیز میں آنا محال ہے اور اس موقع پر جو اعتراض کیا جاتا ہے اور جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ایک عظیم الجثہ کی صورت ایک صغیر الحجم چیز میں منطبع ہو جاتی ہے - اس سے ہمارے قاعدہ مقررہ کو ضرر نہیں پہونچتا کیونکہ تم نے فوٹو دیکھے ہونگے جسمیں بڑے بڑے پہاڑوں اور سمندروں کی منظر دکھائی دیتے ہیں" اس جواب پر فہم سلیم کو بھی ہنسی آجائیگی - بیشک فوٹو میں عظیم الخلقۃ شے کی تصویر آجاتی ہے اور ہم اوس سے اوس چیز کی وسعت کا اندازہ کر سکتے ہیں لیکن اسی کیونکر تسلیم کرلیں کہ ابصار کیحالات میں بھی یہی کیفیت ہوتی ہے - ہم فوٹو دیکھتے ہیں تو چونکہ ہمارے خیال اصل منظر کی وسعت سے مشابہت سے خیال رہتے ہیں اسلیئے اونکی مدد سے ہم اصل منظر کی واقعی وسعت کا اندازہ کر لیتے ہیں ورنہ یہ کون نہیں جانتا کہ فوٹو کی تصویر ایک کم مقدار کاغذ پر ہوتی ہے اور اگر اوسکو اصل شے کے مقابلہ میں رکھیں تو مچھر اور ہاتھی کا مقابلہ ہوگا جسطرح عظیم الجثہ کا انطباع چھوٹی چیز میں محال ہے اوسیطرح اوسکی صورت کا انطباع نہ ہونا چاہئیے کیونکہ صورتکو اپنی اصل سے طولاً وعرضاً مساوی ہونا چاہئیے - فوٹو کی یہ کیفیت ہے کہ اوسے دیکھکر اصل کا پتہ نہیں لگ سکتا - اس سے ظاہر ہے کہ فوٹو میں جو تصویر آتی ہے وہ اصل سے کسقدر فرق رکھتی ہے ۱۲

جب آئینہ میں اپنی صورت دیکھتا ہے تو اوسکی شعاع بصری آنکھونسے نکل کر آئینہ پر پڑتی ہے۔ اور اُس سے منعکس ہو کر پتلیوں پر اس طریقہ سے اوسے اپنی صورت دکھائی دیتی ہے۔ یہ شعاع بصری جسقدر چھوٹے ہونگے اوسیقدر صورت قریب نظر آئے گی اور جسقدر طویل ہونگے اوتنی مرئی (جو چیز دکھائی دیتی ہے) محسوس ہوگی۔

دوسرا استدلال } جنس حیوان ہین مختلف بلحاظ ماہیت اور خصوصیت منطقی فرق ہے لیکن جو فرق عام طور پر نگاہیں محسوس کرتی ہیں یہ اعضاء اور شکل وصورتکا اور جسم و قویٰ کے اعتبار سے ہے مثلاً چیونٹی سے لیکر ہاتھی تک کے اجسام کی ساخت کو ملاحظہ کیجیے تو سب میں ہیں فرق پایا جاتا ہے خیر یہ تو انواع کا فرق ہے افراد نوع (جو ماہیت او خصوصیت میں متحد ہیں) جسم کی ساخت میں کسی قدر فرق ضرور دکھائی دیتا ہے اس سے بھی قطع نظر کر کے اگر قویٰ اور حواس پر غور کیجیے تو وہ بھی اس کلیہ کے ماتحت ہیں جس شخص کو اللہ نے چشم بینا عطا فرمائی ہے وہ مشاہدہ تو ہر چیز کا کرسکتا ہے لیکن ہر ایک شخص کی بصارت میں دوسرے شخص کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔

چنانچہ ریاضیین کا دوسرا استدلال (جسکی تمہید ابھی آپنے پڑھی ہے) علم المرایا والمناظر کا مسئلہ ہے کہ نزدیک اور دور کی چیزونکا نظر آنا شعاعوں کی کثرت وقلت پر موقوف ہے جسکی شعاع بصری لطیف اور کم ہوتی ہے وہ نزدیک کی چیز کا صحیح ادراک کرتا ہے لیکن وہ دور کی چیزوں کا صاف طور پر اسلیے ادراک نہیں کرسکتا کہ شعاع بصری مرئی تک پہونچنے سے پہلے ہی منفرق ہوکر معدوم ہوجاتی ہے۔

اسی طرح جسکی شعاع بصری غلیظ اور کثیر ہوا کرتی ہے وہ دور کی اشیاء کا

نہایت صحیح پیمانہ پر دیکھ لیتے ہیں کیونکہ شعاعونکی کثرت اور غلاظت میں مسافت بعیدہ تک حرکت کرنے سے لطافت اور روشنی پیدا ہو جاتی ہے جو مرئی کے ادراک کیلیے ضروری ہیں اگر منطبعین کے خیال کے موافق کسی چیز کا نظر آنا صورت کے مرتسم ہونے پر موقوف ہوتا تو دونوں قسم کے لوگون کے ابصار میں تفاوت نہونا چاہیے تھا۔

تیسرا استدلال) کائنات عالم میں بلحاظ بصارت دو قسم کے انسان ایسے ہیں جنکی آنکھوں میں نور بصارت تو پایا جاتا ہے لیکن ایک آدمی تو دن کو نہیں دیکھ سکتا عربی میں اسکو اجہر کہتے ہیں دوسرا فرقہ رات کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسے عربی میں اعشی کہتے ہیں مرحوم علامہ خیرآبادی لکھتے ہیں کہ اجہر کی شعاع بصری نہایت ہی کم اور لطیف ہوا کرتی ہے اس سبب سے دن کو آفتاب کی منور شعاعیں اوسکی شعاع بصری کو بالکل متفرق کر کے معدوم کرتی ہیں۔ اور چونکہ شب کو اوسکی شعاعوں کا ضایع کر دینے والا کوئی نہیں ہوتا اسلیئے وہ شب کو بخوبی ہر چیز دیکھ سکتا ہے۔

اعشی کی بصری شعاعیں چونکہ غلیظ اور کثیر ہوا کرتی ہیں اسلیئے آفتاب کی شعاعیں اپنی حدت سے دن کو اسمیں لطافت پیدا کر دیتی ہیں اور اعشی بہت اچھی طرح دیکھتا ہے شب کو چونکہ اوسکی غلاظت کے دفع کرنے اور متفرق کرنیکا کوئی باعث نہیں ہوتا اسلیے راتکو نہیں دیکھ سکتا۔

چوتھا استدلال) کسی شخص کو تم تیرہ و تاریک مکان میں بٹھلا دو تو اوسے اپنے آنکھوں سے ایک نور نکلکر ناک پر چلتا ہوا محسوس ہوگا اسی طرح اگر کوئی نیم باز آنکھوں سے چراغ کو دیکھے تو اوسے محسوس ہوگا کہ میری دونوں آنکھوں سے بہت سے خطوط شعاعی نکل کر چراغ پر پڑ رہے ہیں۔

پانچواں استدلال { علم المرایا کی بنیاد خروج شعاع پر قائم ہے اور یہ بالکل مسلم ہے کہ ہر علم کے اصول بالکل یقینی ہوا کرتے ہیں۔ افلاطون کے شاگرد اور ہم خیال حکما انطباع کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"کسی چھوٹے سے شفاف جسم میں وہ صورت نہیں منطبع ہو سکتی جو اوس سے بڑی ہو"

اگر ابصار کے لیے صورت کا مرتسم ہوتا تسلیم کرلیا جائے تو (اولاً) بڑی خرابی یہ لازم آئیگی کہ ہم مثلاً سر بفلک پہاڑ اور آسمان درخت وغیرہ کو نہ دیکھہ سکیں کیونکہ اونکو دیکھنا اس بات کی بدیہی شہادت ہے کہ اونکی صورتیں ہماری آنکھوں کے تصویر کھینچنے والے محدب شیشے میں ہو گئی ہیں اور چونکہ وہ چیزیں ہمکو اپنی اصلی مقدار میں نظر آتی ہیں اس لیے اوس محدب شیشے کو بھی اوسی قدر بڑا ہونا چاہیے جو ہماری رویت کا ذریعہ ہے کیونکہ قاعدۂ بالا کے موافق اگر محدب شیشے چھوٹے ہوں گے تو ہمیں مرئی اپنی معمولی مقدار سے گھٹکر دکھائی دینگی حالانکہ کوئی بھی اسکا قائل نہیں کہ ہمکو کوئی چیز اپنی اصلی مقدار سے چھوٹی نظر آتی ہے یا ہماری وسعت کے اعتبار سے ہماری اون مناظر کے برابر ہیں جنھیں ہم دیکھ رہے ہیں۔

(ثانیاً) (۱) ہم نور بصارت کے وسیلہ سے جس چیز کا احساس کرینگے وہ وہی شے ہونی چاہیے جو ہمارے جلیدیہ میں موجود ہے لہذا ہمیں اون تمام مناظر سے محروم ہوجانا چاہیے جو اون کے علاوہ ہیں۔

(۲) چونکہ جلیدیہ نہایت چھوٹی چیز ہے لہذا جو صورت اوسمیں منطبع ہوگی وہ بھی چھوٹی ہوگی جس سے ہم کسی عظیم الجثہ شے پر اوسکی عظمت کا حکم نہ کرسکیں گے۔

(۳) تمام چیزیں مساوی نظر آئیں گی۔
چونکہ تمام منطبعین وحدۃ مرئی کے متعلق اسکے قائل ہیں کہ جلیدیتین کی مرتسمہ صورتیں مجمع النورین میں متحد ہو جاتی ہیں اور احول (ڈھیلے) کو ایک ہی چیز دو اسوجہ سے نظر آتی ہیں کہ اوسکی نلکیاں ٹیڑھی ہوتی ہیں اسلیئے افلاطون کے پیرو اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمھارے ان دونوں اصول کے لحاظ سے زید کو ایک ہی حال میں ایک شے ایک اور دوسری دو دو نظر آنی چاہئیں حالانکہ اسکا کوئی بھی قائل نہیں تم نے خود بھی غور کیا ہوگا کہ جب دو چیزیں تمھارے نزدیک ہوں لیکن ایک دس ہاتھ کے فاصلے سے اور دوسری صرف ایک ہاتھ کے مسافت پر تو ان میں سے جس شے کو بنظر غور دیر تک دیکھا ہوگا تو دوسری چیز دو نظر آئی ہوگی۔ اگر قریب والی مطمح نظر رہی ہوگی تو دور کی شے اور اگر دور کی شے معرض توجہ میں ہوگی تو قریب والی دو محسوس ہوئی ہوں گی۔ ارسطو کے پیرو کہتے ہیں کہ یہ اعتراض تو تم پر بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ تم بھی اسکے قائل ہو کہ جب دونوں آنکھ کی شعاع مخروطی ملکر ایک خط ہو جاتی ہیں، تو چیز ایک نظر آتی ہے اور جب دونوں جدا جدا رہتی ہیں تو دو محسوس ہوتی ہیں۔
چونکہ دونوں مخروطی سہموں کا اتحاد غیر ممکن ہے[۱] اسلیئے افلاطون کے پیرو کہتے ہیں کہ اتحاد سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ دونوں خطوں کا موقع ایک ہو لیکن جب اونکے موقع جدا جدا ہونگے تو مرئی بھی متعدد ہونگے۔

[۱] یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ جب دو مخروطی شعاعی سہمیں ایک موقع پر واقع ہو جائیں گی تو اونمیں اتحاد ہو جائیگا تاکہ اوسکی صورت حس مشترک میں ایک ہی حاصل ہو کر نفس کے اور نتیجہ کا نظریہ میں شک ہے ورنہ اگر مرئی کے سطح پر دونوں سہم اسطرح پر گریں جن کی

متبعین ارسطو افلاطون کی تردید میں کہتے ہیں کہ (اولاً) ذیل کے دونوں مقدمے حکما کے طبقے میں مقبول عام ہیں۔

(۱) اعراض منتقل نہیں ہوتے

(۲) افلاک میں خرق والتیام نہیں ہوتا۔

اگر شعاع بصری بطور عرض ہونیکے آنکھوں کے ساتھ قائم ہے تو مقدمۂ اولی کے حسب منشا اوس سے جدا ہوکر فضاے عالم میں منتقل نہیں ہوسکتا اور اگر جسم ہے تو مقدمہ ثانیہ کے موافق افلاک سے گزر کر فلک اطلس تک نہیں پہونچ سکتا اور نہ آنکھ کے قلیل مادّے سے اتنا بڑا جسم پیدا ہوسکتا ہو جو نصف کرۂ عالم کو احاطہ کرسکے اور پلک مارنے کی ساتھ یا تو واپس ہوکر بطریق رجعت قہقری اصلی حالت اختیار کرلے یا فوراً معدوم ہوجائے۔

موقعہ جدا جدا ہوں اور باطنی سطحیں آپسمیں ملی ہوئی ہوں تو اوسکی جو صورت نفس کے سامنے حاضر ہوگی اوسکے دو حصے ہونگے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایک چیز ایک نظر نہ آے بلکہ اوسکے دو حصے منقسم مگر متصل دکھائی دیں۔

اور اگر یہ ممکن ہو کہ ایک مرئی پر دونوں شعاعی سہم کچھہ فاصلے کے ساتھہ گریں تو ایک اور مشکل واقع ہوگی جو اون سے بھی زیادہ سقیم ہے وہ یہ کہ ایک چیز بتمام وکمال نظر نہ آسکے کیونکہ اونکی مخروطی شعاعیں جو بصارت کا ذریعہ ہیں مرئی کے بعض بعض حصوں پر واقع ہوی ہیں لہذا جس سہم کی سطح مرئی کر جس سطح کے ساتھہ متصل ہوگی اوسی قدر سطح مرئی کا احساس ہوگا اور جو مرئی کی سطح سہموں کے التصاق سے باقی رہ جائے گی وہ نظر نہ آئے گی ظاہر ہے کہ یہ سب خلاف مشاہدہ الزامات عدم اتحاد کی صورت میں لازم آتے ہیں۔"

ابوالحسن عفی عنہ

(ثانیاً) اگر ابصار خروج شعاع کیساتھ وابستہ ہے تو یہ بالکل مسلم ہے کہ شعاعوں کو آنکھ سے جدا ہو کر مرئی تک حرکت کرنی پڑیگی جب تم فلک ثوابت کو چاندنی رات میں دیکھنا چاہو تو حرکت کا مقتضا ہے کہ ثوابت سے بہت پہلے تمھاری متجسس نگاہ کے سامنے چاند آجائے کیونکہ وہ فلک اول کا سیارہ ہے حالانکہ جب تم ستارونکو دیکھنا چاہتے ہو تو تمام ستارے یک بیک نظر آجاتے ہیں صرف وہی ثوابت تمھیں دیر میں دکھائی دیتے ہیں جنکی روشنی فضاء دنیا تک ہزارہا سال میں پہونچتی ہے۔

(ثالثاً) دنیا کی تمام چیزوں کی حرکت ان تین حرکتوں کی ماتحت ہیں۔

(١) حرکت قسری۔ (٢) حرکت طبعی۔

(٣) حرکت ارادی۔

حرکت ارادی کا منشا ہے کہ متحرک ذی ارادہ ہو اور چونکہ ارادہ ذی حیات کی صفت ہے اسلیے یہ دوسرا استحالہ لازم آئے گا کہ ایک ایسی چیز جو بجائے خود عرضی ہے صرف ایک ذی روح کی صفت ثابت کرنے کیلیے جوہر مانی جائے

بقیہ نوٹ صفحہ — موقع جدا جدا ہوں اور باطنی سطحیں آپسمیں ملی ہوئی ہوں تو اوسکی جو صورت نفس کے سامنے حاضر ہوگی اوسکے دو حصہ ہونگے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایک چیز ایک نظر نہ آئے بلکہ اوسکے دو حصے منقسم مگر متصل دکھائی دیں۔

اور اگر یہ ممکن ہو کہ ایک مرئی پر دونوں شعاعی سہم کچھ فاصلے کیساتھ گریں تو ایک اور مشکل واقع ہوگی جو اون سے بھی زیادہ سخت ہے وہ یہ کہ ایک چیز بتمام وکمال نظر نہ آسکے کیونکہ اونکی مخروطی شعاعیں جو بصارت کا ذریعہ ہیں مرئی کی بعض بعض حصوں پر واقع ہوی ہے لہذا جس سہم کی سطح مرئی کے جس سطح کے ساتھ متصل ہوگی اوسیقدر سطح مرئی کا احساس ہوتا اور مرئی کی سطح سہمونکے التصاق سے باقی رہجائیگی وہ نظر نہ آئیگی ظاہر ہے کہ یہ سب خلاف مشاہدہ الزامات عدم اتحاد

حرکت طبعی کا مدار ایک فطری قوت پر ہوتا ہے جس پر ہر چیز اوسوقت تک برابر قائم رہتی ہے جب تک کوئی قاسر حائل نہو۔ آسمان کی حرکت طبعی چاہتی ہے کہ وہ مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرے اور زمین کی حرکت طبعی کا منشا ہے کہ مغرب سے مشرق کی طرف متحرک ہو۔ اور باختلاف مذاہب فلاسفۂ قدیم و جدید اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ ہر چیز اپنی فطرت کے حسب منشا کام کرتی ہے نیز حرکت طبعی کا یہ منشا ہے کہ حرکت ایک ہی طرف ہو جیسے زمین و آسمان کی نسبت کہہ چکے ہیں جب یہ ثابت ہوگیا تو سوال یہ ہوتا ہے کہ شعاع کی حرکت اگر طبعی ہے تو اوسے ایک جانب ہونا چاہیے حالانکہ ہم جسطرف چاہتے ہیں اوسے پھیر سکتے ہیں۔ اور یہ کہنا تو بالکل بیجا ہے کہ شعاع کی حرکت طبعی ہے اور وہ ہمیشہ خط مستقیم پر حرکت کرتی رہتی ہے کیونکہ امور طبعیہ کے لئے حیات کی قید بھی لازمی ہے پیروان افلاطون اس اعتراض سے بچنے کیلیے کہتے ہیں کہ حاشا ہم اسکے قائل نہیں ہیں کہ آنکھ سے شعاع نکلتی ہی نہیں بلکہ جب کوئی کسی چیز کو دیکھتا ہے تو مبدءِ فیاض کی طرف سے ایک شعاع مخروطی پیدا ہو کر رائی اور مرئی کے درمیان میں واقع ہوجاتی ہے اس مخروطی نورانی شعاع کا قاعدہ مرئی سے ملا ہوتا ہے اور اوسکا بالائی کنارہ دیکھنے والے کی آنکھ سے۔ اور چونکہ فیضان قدرت رائی اور مرئی کے تقابل کے بعد ہوتا ہے اسلئے حدوث شعاع کی نسبت آنکھوں کی طرف مجازاً کردیجاتی ہے۔

بظاہر افلاطون اور ارسطو کے اقوال میں سخت تخالف ہے۔ ابو نصر فارابی المتوفی ۳۳۹ھ ہجری الجمع بین الرائین نے ان دونوں کے قولوں پر محاکمہ کرتے ہوے دونوں کو آپسمیں مطابق کرنا چاہا ہے۔ فارابی نے اس بحث سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ در اصل دونوں حکیموں کا مقصد ایک ہی ہے مگر زبان نہ واضح ہونیکی وجہ سے ارسطو نے اپنے خیال کو انطباع سے تعبیر کیا اور افلاطون نے خروج شعاع سے۔ لیکن

فارابی اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکا گو فہم متوسط کے نزدیک تنگی زبان کا عذر مقبول ہو جائے لیکن اہل نظر کب اسے تسلیم کرینگے۔

اس باہمی اختلاف سے بچنے کیلئے امام فخر الدین رازی اور علامہ قطب الدین شیرازی المتوفی سنہ ہجری ایک [illegible] الگ راہ اختیار کر کے کہتے ہیں کہ ہمارے ادراک بصری کا سبب نہ تو خروج شعاع ہے اور نہ انطباع شکل بلکہ جب رویت کے تمام شرائط موجود ہو [illegible] ایک روحانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جسے ہم بصارت سے تعبیر کرتے ہیں۔

محقق [illegible] اشراق [illegible] شیرازی کے ہم خیال ہیں۔

[illegible] قطب الدین شیرازی [illegible] کا محتاج ہے اور [illegible] نظر آنے کیلئے [illegible] کافی ہے کہ ہمارے سامنے [illegible] موجود ہو اور آلات بصر صحیح ہوں اور [illegible] کا حاصل اسی سے قوت باصرہ اور مرئی کے درمیان [illegible] اضافہ اشراقیہ [illegible] ہو جائے گی جس سے نفس کے سامنے مرئی کا انکشاف حضوری ہو گا۔

شیخ کے دلائل قریب قریب وہی ہیں جو ارسطو اور افلاطون کے ہم خیال ایک دوسرے کی تردید پر قائم کرتے ہیں۔

دونوں فریق کی خانہ جنگیوں پر غور کر کے علامہ خیر آبادی نے حسب ذیل فیصلہ کیا ہے۔

ابصار کا آلہ ایک نورانی وہمی اور مخروطی جسم علیحدہ ہیں ہے چونکہ اور مرئی کے درمیان میں حرکت [illegible] نقل [illegible] کا [illegible] ایک [illegible] اور [illegible]

چیز دیکھتے ہیں تو سخت حرکت ہونے کی وجہ سے اگر لطیف ہوتا ہے تو تحلیل ہو کر معدوم ہو جاتا ہے اور اگر غلیظ ہوتا ہے تو لطافت آجاتی ہے اور اس سے مقابل میں شعاعیں پیدا ہوتی ہیں جسکی قوت سہم مخروطی کے موقع پر ہوتی ہے اس خط کے متعلق شعاعوں کی مڑنے سیدھے رہنے اور منعکس ہونیکے تمام احکام ثابت کیے جاتے ہیں جب رائی اور مرئی کے درمیان میں کوئی جسم شفاف ہوا کی طرح ہوتا ہے تو یہ جسم نورانی مخروطی وہی سیدھا نفوذ کرتا ہے اور اس شفاف جسم کی سطح پر کسی جانب نہیں مڑتا اور اس طریقہ سے مرئی اپنی اصلی مقدار پر نظر آتی ہے۔

بخلاف پانیکے یا جو چیزیں کہ ہوا سے کم شفاف ہیں انمیں خط مستقیم اور منعطف دونوں طرح نفوذ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ کہ اگر انگور پانی کے سطح سے قریب ہو تو آلو کے برابر دکھای دیتا ہے کیونکہ دونوں شعاعیں منعطف اور مستقیم قریب سطح کی وجہ سے متمیز نہیں ہوتی ہیں اور انگور اپنی موجودہ جسم سے بڑا معلوم ہوتا ہے اور جب انگور پانی کی سطح سے دور ہوتا ہے تو دونوں شعاعوں کے متمیز ہونے سے دو انگور دو جگہ دکھائی دیتے ہیں۔

جب جسم مخروطی شعاعی کا قاعدہ جسم صیقل شدہ پر ہوتا ہے تو اوس سے شعاعیں منعکس ہو کر مقابل کی چیز پر پڑتی ہیں۔

فاضل مرحوم نے گو اس فیصلہ میں منشائین اور ریاضیین کے استدلالات پر گہری نظر ڈالی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ فیصلہ بھی اوس اختلاف کو نہیں مٹا سکتا جو ہزارہا سال سے چلا آرہا ہے اور ہر زمانہ میں اہل علم کا مطمح نظر رہا ہے۔

جسطرح آنکھوں سے ایک نورانی جسم کا نکلنا ابھی غور طلب ہے اسی طرح یہ بھی قابل تحقیق ہے کہ اوس جسم کی مرئی تک رسائی بھی ممکن ہے یا نہیں۔

ممکن ہے کہ بعض حضرات علم المرایا والمناظر کے اصول کو اس فیصلہ کی تائید میں پیش کریں جنکو ایک علمی عمارت قائم رکھنے کے لئے لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑیگا کیونکہ موافقت علمی[1] بھی بعض بعض مواقع پر اسکی تائید کرتی ہے۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ علم المرایا والمناظر کے بعض دفعات ابھی اصلاح کے محتاج ہیں۔

کسی چیز کے دیکھنے کے لیے صرف ایک نورانی جسم کا آنکھوں سے نکلکر مرئی کی طرف حرکت کرنا کافی نہیں ہے بلکہ مرئی کے دیکھنے کیلیئے یہ بھی ضروری ہے کہ آفتاب یا کسی اور نورانی جسم کی شعاعیں فضائے عالم کے لطیف سیال مادے کو روشن کرکے اوسمیں ایک سریع السیر حرکت پیدا کردیں۔ جو رائی اور مرئی کے درمیان میں واقع ہے۔ تاوقتیکہ کسی خارجی نورانی جسم سے شعاعوں کا فیضان نہو کسی چیز کا دیکھ لینا ہی کسیطرح ممکن نہیں ہے۔

زمانہ حال کے محققین میں سب سے پہلے فرانس کے مشہور دیکارٹ نے اسکی طرف توجہ کی اور بہت کوشش کے بعد اوسنے کہا کہ اجسام تیرہ میں ایک قسم کی حرکت پائی جاتی ہے یہ حرکت جب جسم شفاف تک جو فضاے درمیانیمیں اجسام تیرہ سے لیکر ہم تک پھیلا ہوا ہے پہونچتی ہے تو اوسکے اجزا کو منتشر کردیتی ہے

[1] موافقت علمی کے یہ معنی ہیں کہ کسی غیر ثابت شدہ اصول کو تسلیم کرکے اسکی جتنی تفریعات نکالی جائیں تجربہ اون سب کو صحیح قرار دے تو وہ اصول گو خود کسی دلیل کے ماتحت نہوں مگر اون تفریعات کی صحت ہی اون کے لیے دلائل بن جاتی

اور یہ اجزا منتشرہ گرتے ہوئے جب ہماری آنکھوں تک پہونچتے ہیں تو ہم نور کا ادراک کرتے ہیں

اسکے بعد نیوٹن جب ایوولیشن (کون) اور اٹراکشن (جاذبہ عامہ) کی گرانما تحقیق سے فارغ ہوکر مسئلہ نور کی طرف متوجہ ہوا تو اوسے دیکارٹ کے مسئلہ میں بہت سی کمزوریاں محسوس ہوئیں اور بالآخر اوسنے اس مسئلہ کے متعلق نئے اصول ترتیب دئے جنپر آجکل علم البصر کی شاندار عمارت قائم ہے۔

نیوٹن کی یہ ایجاد کردہ اصول اور قاعدے اوسکے اصلی کارناموں میں شمار کیے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس تحقیق کا سہرا نیوٹن کے سر ہے لیکن یہ صریحی غلطی ہے نیوٹن نے روشنی کی حقیقت بیان کرنے میں کسی جدت طرازی سے کام نہیں لیا بلکہ جو قواعد اوسکے لئے باعث فخر سمجھے جاتے ہیں کئی ہزار سال پہلے دنیائے علم سے روشناس ہوچکے ہیں اور اس تحقیق کا سہرا مشہور حکیم فیثاغورث کے سر باندھا جاچکا ہے فیثاغورث کہتا ہے۔

"روشنی چھوٹے چھوٹے ذرّوں کا نام ہے جو روشن کروں سے علیحدہ ہوکر ہم تک پہونچتے ہیں"

قال بعض الحکماء الاقدمین ان النور اجسام تنفصل عن المضیئ وتتصل بالمستضیئ۔

فیثاغورث کی یہ تحقیق بھی اعتراضات سے نہ محفوظ رہسکی اور بالآخر اعتراضوں کی کشمکش نے اوسکا لطف گھٹا دیا اسی طرح جب نیوٹن نے اپنی تحقیق کو روا یہ دنیا

لہ شرح مواقف جلد ۲ صفحہ ۱۲۱ء اگلے حکیموں میں سے ایک حکیم کا قول ہے کہ نور اون چھوٹے چھوٹے جسموں کو کہتے ہیں جو نورانی اجسام سے علیحدہ ہوکر روشنی طلب کرنے والوں اجسام سے متصل ہو جاتے ہیں۔

چاہا تو ابتداءً اوسے قبول عام حاصل ہوا لیکن محققین فن نے اوسے بھی نشانہ اعتراض بنا ہی ڈالا اور کئی زبردست ایسے اعتراض کیے جنکا جواب شافی دیکر نیوٹن کی عمارت خیال کو قائم رکھنا مشکل تھا آخر اوسکے قواعد متزلزل ہو گئے اور تحقیق نے دوسری شان اختیار کر لی۔

(۱) عالم کے کروں کی اصلی مقداریں روز بروز کم ہوتی رہے اور ایک عرصہ کے بعد انکی موجودہ اور پارینہ حالت میں نمایاں فرق محسوس ہو۔ حالانکہ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ کرات عالم کی حالت ہر زمانے میں ایک ہی رہی ہے۔

(۲) اگر روشنی کرات عالم کے جدا شدہ ذروں کا نام ہے تو مقتضائے قیاس یہ ہے کہ جب کسی نازک اور ہلکی ترازو کے ایک پلڑے پر بہت سی شعاعیں ڈالی جائیں تو وہ بار اجسام سے جھک جائے لیکن تحقیق اور تجربہ اسکی نفی کرتا ہے۔

(۳) تحقیق جدید کے موافق جسطرح کوئی چیز قانون ارتفاع سے خالی نہیں اسیطرح قوت جاذبہ سے بھی خالی نہیں ہر بڑا جسم اپنے قریب کے چھوٹے چھوٹے جسموں کو کھینچتا ہے لہذا اگر نیوٹن اور فیثاغورث کی تحقیق بالکل صحیح ہے تو چھوٹے چھوٹے ذرّوں کو اپنے کروں سے علیحدہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ اونکے کروں میں ذروں کے مقابلہ میں قوت جاذبہ زیادہ موجود ہے۔

نیوٹن کے بعد ہویجینس ہوا اوسنے نور کے متعلق دو اصول موضوعہ سے کام لیا ہے۔

(۱) تمام فضا میں ایک قسم کا لطیف سیال (ایتھر) موجود ہے اور اس لطیف مادے سے کرات عالم میں کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔

(۲) جسطرح آگ کی لو ہمیشہ مضطرب رہتی ہے اسی طرح آفتاب اور
ماہتاب الغرض تمام اجسام تیرہ کے مادے متحرک ہیں اور اجسام تیرہ کی ہر
معمولی حرکت سے اونکے پاس کے لطیف سیال مادے میں دائرے کی صورتکا
تموج پیدا ہوتا ہے اور وہ بڑھتا ہوا ہمارے آنکھوں تک پہونچتا ہے اور ہم نور کا
ادراک کرتے ہیں۔ اسی طرح جب دو کثیف جسموں میں تصادم ہوتا ہے تو
اوس سے اس لطیف سیال میں تموج پیدا ہوتا ہے اگر یہ جنبش ہمارے
کان کے ذی حس پردوں سے قریب ہوتی ہے تو ہم میں سماعت پیدا ہوجاتی
ہے اور جب (ایتھر) میں خفیف سی حرکت ہوتی ہے یا تصادم کا موقع ہم کو
زیادہ فاصلے پر ہوتا ہے تو ہم نہ آواز سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔

اسکی مثال میں ہوبکنیس کہتا ہے۔

تمکو یوں سمجھنا چاہیئے کہ جس طرح پانی میں تم حرکت پیدا کرتے ہو تو تمہارے
قوت کے صدمے سے اوسمیں ایک تموج دائرے کی صورت میں پیدا ہوکر بڑھنا
شروع ہوتا ہے اور کنارے تک پہونچ جاتا ہے اور جب خفیف سی جنبش ہوتی
ہے تو اوسکی لہریں کنارے تک نہیں پہونچتیں۔

چونکہ ہبکنس ادراک بصری میں ارسطو کی تقلید کرتا ہے اسلیے اوسکے مندرجہ
بالا بیان سے حسب ذیل نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔

روشنی ایتھر کی لہروں کا نام ہے جب اسکا سیلاب تموج بڑھتا
ہوا ہماری آنکھوں کے پاس آجاتا ہے تو ہم نور کا ادراک کرتے ہیں
اور جس چیز کو دیکھنا چاہتے ہیں اوسکی صورت جلیدیہ میں منطبع ہوتی ہے
اور ہم مرئی کا ادراک کرتے ہیں

لیکن قابل غور یہ امر ہے کہ ہوبکنس کا یہ خیال کیا ہماری رویت کے مقدمہ میں کافی

ہوسکتا ہے۔

اہل مغرب کا سب سے پچھلا اور محقق خیال یہ ہے کہ

"اجسام تیرہ کی تحریک اور ایتھر کی وساطت سے آنکھوں پر ہلکی ہلکی سی ٹھوکریں لگتی ہیں (یہی حرکت نور ہے) ان ٹھوکروں کی وجہ سے شئے مرئی سے شعاعیں نکلکر آنکھوں پر پڑتی ہیں اور شئے مرئی چونکہ بالکل آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے اسلیے اوسکی تصویر پتلیوں پر اوتر آتی ہے۔"

لیکن فہم سلیم اس محقق قول کی تصدیق کرنیسے بھی منکر ہے کیونکہ اس سے حسب ذیل نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) ہم تاریکی میں کوئی چیز اسلیے نہیں دیکھ سکتے کہ اجسام تیرہ کی حرکت سے متحرک ایتھر کی ٹھوکریں ہماری آنکھوں پر نہیں لگتیں حالانکہ یہ بالکل مسلم ہے کہ اجسام تیرہ ہر وقت حرکت کرتے ہیں۔ اور جو شئے اون سے متصل ہے اونکی حرکت سے تموج پیدا ہوتا ہے۔

(۲) جب شبکو آسمان پر تیرہ و تار ابر محیط ہو تو وہ سارے ذرائع مفقود ہوجائیں جو ایتھر کی اوس حصہ کی حرکت کا باعث تھے جو ہمارے سامنے ہوتا ہے۔

(۳) ایتھر کی حرکت میں برشکال کی اندھیری راتوں اور اندھیری کوٹھریوں میں سکون پیدا ہوجائے۔ نمبر ۲ اور ۳ کا مدار اس پر ہے کہ ہمارے ابصار کا ذریعہ ایتھر کا تموج ہے اور وہ اجسام تیرہ کی سبب سے پیدا ہوتا ہے یہ بالکل ظاہر ہے کہ جب شبکو آسمان پر ابر غلیظ محیط ہو اور بجلی بھی خاموش ہو۔ اور ہمارے پاس کوئی اور نورانی شئے بھی نہ ہو تو اوسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اوس حصۂ ایتھر میں سکون پیدا ہوجائے جو ہمارے گرد ہے اور اس سکون کے سبب سے ہم کسی چیز کا ادراک نہ کرسکیں حالانکہ ہم اون چیزوں کو اکثر ادراک بصری کے ذریعہ سے محسوس کرلیتے

ہیں جو ہمارے گرد ہوتی ہیں۔

اور اگر ایتھر میں اجسام تیرہ کی تحریک سے ہر وقت حرکت جاری رہتی ہے تو مرئیات کے ادراک کرنے میں ایسے تیرہ و تار موقع پر بھی کوئی غلطی نہ ہونی چاہیئے حالانکہ برسات کی تاریک راتوں میں اپنے آس پاس کی چیزوں کی علاوہ اور کوئی چیز دیکھنا چاہتے ہیں تو نہیں دیکھ سکتے۔

قوت باصرہ کے متعلق محققان یورپ میں ایک اور مذہب بھی موجود ہے جو ہوبجنیس کے مذہب سے ملتا جلتا ہے۔

اشیاء پر آفتاب یا کسی اور چمکنے والی چیز کی روشنی پڑتی ہے اور اون سے پلٹ کر آنکھ کے پردے پر آتی ہے اور اس طرح ہم مرئی کا ادراک کرتے ہیں

یہ مذہب بھی گو تحقیق جدید کا مرہون احسان خیال کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت ایک اگلے اور بڑے حکیم کا مسلک ہے جسنے آنکھ کی تشریح میں بہت کامیابی حاصل کی تھی اور اسکے پردوں کے متعلق اگلے حکیموں سے زیادہ واقفیت پیدا کی تھی غور کرنے سے یہ مذہب بھی نقائص سے پاک نہیں معلوم ہوتا اسمیں بھی اکثر ایسے دعاوی موجود ہیں جنکی مشاہدات اور تجربات نفی کرتے ہیں۔

اس خیال میں دین کا مذہب مسئلہ الابصار میں وقیع اور سب سے بہتر خیال کیا جا سکتا ہے ممکن ہے کہ یہ بھی نقائص سے پاک نہ ہو تاہم تحقیق جدید اور قدیم کے استدلال کے ہر حصہ پر غور کرنے کے اخذ کیا گیا ہے۔

جب ہم کسی شے کو دیکھتے ہیں تو آنکھوں سے ایک نورانی شعاعی جسم نکلتا ہے لیکن صرف یہ جسم ہمارے دیکھنے کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ ہم کسی چیز کے دیکھنے کیلئے کسی خارجی نورانی شعاعوں کی محتاج ہیں کبھی یہ خارجی شعاعیں مرئی میں موجود رہتی ہیں اور کبھی انکا اجسام نیرہ سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

الغرض اجسام تیرہ کی تحریک سے ایتھر میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور اوس حرکت کے ذریعہ سے اجسام تیرہ کی شعاعیں مرئی ہوکر آنکھ کے پردہ پر پڑتی ہیں۔

اور اب مرئی کی صورت وہ نورانی جسم ہماری قوت مدرکہ کے سامنے پہونچا دیتا ہے جو آنکھ سے نکلتا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خارجی شعاعوں کی زیادہ حاجت نہیں ہوتی بلکہ مرئی کی اصل روشنی ہی ابصار کیلئے کفایت کرتی ہے جیسا تم چراغ اور آفتاب دیکھنے کی حالت میں محسوس کرتے ہو۔ خارجی شعاعیں جب پانی یا کسی غیر شفاف جسم پر پڑتی ہیں تو وہ چیز پانی کی سطح سے متصل ہوتی ہے اوسکا جلد نظر آجاتی ہے اور جب عمق میں واقع ہوتی ہے تو اوسمیں شعاعوں کا نفوذ انعطافی اور غیر مستقیم طور پر ہوتا ہے اسلئے کبھی کوئی چیز بڑی نظر آتی ہے اور کبھی شعاعوں کے متفرق ہو جانے سے ایک ہی چیز دو دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح چونکہ دونوں آنکھوں کے اعصاب بٹے ہوتے ہیں اسلئے اوسے ایک چیز دو دکھائی دیتی ہے۔ کسی ایک موقع پر (جہاں بظاہر کوئی نورانی جسم نہیں ہوتا) بعض اشیا ہم اپنے گرد اسلیے دیکھ لیتے ہیں کہ ایتھر کی خفیف سی حرکت اوس فضا کو روشن کردیتی ہے جو ہماری آنکھوں سے متصل یا ہمارے گرد ہوتا ہے۔ اتنا ہر شخص جانتا ہے کہ ادراک بصری ہماری آنکھوں کا کام ہے پھر بھی بعض اوقات ہم کسی چیز کو نہیں دیکھتے اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ادراک بصری کے لیے چند شرایط ہیں جب وہ موجود ہوتی ہیں تو ہم مرئی کو دیکھتے ہیں اور اونکے معدوم ہونے پر کوئی چیز نہیں دیکھ سکتے۔

(۱) مرئی یعنی جو چیز اوسکے حکم میں ہو، کو اوس کے مقابلہ میں ہونا چاہیے۔

(۲) جس چیز کو ہم دیکھتے ہیں وہ ہم سے زیادہ فاصلہ پر نہو۔

(۳) مرئی بہت قریب بھی نہو۔

(۴) رائی اور مرئی کے درمیان میں کوئی زیادہ کثیف جسم حائل نہو۔
(۵) مرئی ذو لون (رنگ والی یا رنگین) ہو اسلیے کہ شفاف جسم (مثلاً ہوا) کا ہم ادراک بصری نہیں کر سکتے۔
(۶) مرئی روشنی میں ہو یا کم از کم اوسپر شعاعیں پڑ رہی ہوں۔
(۷) آلات بصری سالم ہوں
(۸) رائی اور مرئی کے درمیان میں سیّال مادّہ ہو جسمیں آسانی سے روشنی کی لہریں پھیل سکیں۔

متکلمین اشاعرہ کے علاوہ ہر ایک کا یہ خیال ہے کہ اگران شرائط میں سے ایک ہی معدوم ہوگی تو مرئی کا ادراک نہیں ہو سکتا امام غزالی اپنی کتاب مقاصد میں پہلی شرط سے انکار کرتے ہوے لکھتے ہیں۔

(۱) جب ہم آنکھ بند کر لیتے ہیں تو اپنے آپکو دیکھتے ہیں حالانکہ ہم اپنے سامنے موجود نہیں ہوتے۔
(۲) آئینہ میں ہم اپنے آپ کو دیکھتے ہیں لیکن ہم اپنے سامنے نہیں ہوتے۔

علامہ ابن رشد اندلسی نے فصل المقال میں ان اعتراضوں کا یہ جواب دیا ہے۔

لا یخفی ان الادراك الاول ادراك عقلی والثانی فلینظر الرجل فی المرأة شبحه لا نفسه۔

یعنی ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں ادراک عقلی ہے اور دوسری صورت میں انسان اپنی تصویر آئینہ میں دیکھتا ہے نہ اپنی ذات کو۔

واللہ اعلم بالصواب

سید ابوالحسن الہ آبادی

دُکھی کی پُکار

قوم کے مشہور اہل قلم مولانا مضطر صاحب خیر آبادی کا کلام ہماری تعریف کا محتاج نہیں ہم اس نظم کیلئے جو تمدن کے واسطے قابل فخر ہے اپنے مکرم مولوی محمد عبدالعزیز صاحب کے ممنون ہیں جنکی وساطت سے ہمیں یہ میسر ہوئی

او جگ داتا داتا جگ کے　او پرکھن ہارے رگ رگ کے　او رگ رگ کے پرکھن ہارے
او سگری جگ کے داتا رے　او بن والی سب کے والی　سب میں تو سب تجھ سے خالی
سب تجھ سے خالی تو سب میں　ڈھب سے باہر اور پھر ڈھب میں　او سچے جھوٹے کے مالک
و ٹوٹے پھوٹے کے مالک　او مالک ٹوٹے پھوٹے کے　او مالک سچے جھوٹے کے
سوکھی اور ہری کے مالک　کھوٹی اور کھری کے مالک　مالک کھوٹی اور کھری کے
مالک سوکھی اور ہری کے　چھوٹی اور بڑی کے وارث　بیٹھی اور کھڑی کے وارث
وارث بیٹھے اور کھڑے کے　وارث چھوٹے اور بڑے کے　او ایسی ویسی کے والی
و جیسی تیسی کے والی　او والی جیسی تیسی کے　او والی ایسی ویسی کے
ایسی کو تو ویسا کر دے　جیسا چاہے تیسا کر دے　او بے پروا پروا والے
سب بے پرہیں بازو ڈالے　کیونکر کوئی تجھ سے بھاگے　تو موجود ہے آگے آگے
چاہے جس جنجال میں رکھے　مالک ہے جس حال میں رکھے　او ان دیکھے دیکھے بھالے
او ان بوجھے بوجھے چالے　او بوجھے چالے ان جانے　دیکھے بھالے بن پہچانے
او بن بوجھے بوجھ میں آئے　بے سمجھے سمجھے سمجھائے　او سمجھے سمجھائے سب کچھ
او سیکھے سکھلائے سب کچھ　او بن جانے جان کے اندر　پہچانے پہچان کے اندر
او مالی گلزار جہاں کے　او گلچیں صحن بستاں کے　پردونکے جل دینے والے
پھولونکے پھل دینے والے　دینے والے پھل پھولونکے　دینے والے جل پھولوں کے

کانٹوں سے تو پھول نکالے　پھولوں میں تو کانٹے ڈالے　سوکھی شاخ میں کونپل چھوڑے
گیلی ڈال کے پتے توڑے　او کانھا گوکل والون کے　پوچھن ہارے بری حالونکے
او والی ہم بے وارن کے　او راجہ سگری گوالن کے　اوبن باپ کے اوبن ماںکے
الک دل کے مالک جانکے　بے کھٹکے مرنے جینے سے　بے پروا کھانے پینے سے
تیرا کوئی نہیں تو سب کا　سب تیرے تو سب کے ڈھب کا　تو سب کے ڈھب کا سب تیرے
سب تجھکو دن رات ہیں گھیرے　او بگین کے ناؤ کھوّیا　او بیڑے کے پار لگیّا
او منجدھار میں روکن ہارے　او پتا کے ٹوکن ہارے　او ٹوکن ہارے بپتا کے
او روکن ہارے نیّا کے　او بیوسنکے باندھ گھتیا　او دکھین کے دکھ پوچھویّا
او پوچھوّیا ہم جیسن کے　او جگوّیا رات اور دن کے　میرا حال ہے تجھپر روشن
ہر جنجال ہے تجھپر روشن　تو دانا ہے اور تو بینا　تیرے ہاتھ ہے مرنا جینا
آنسو ہوں ڈھل جانے والا　پہلو ہوں جل جانے والا　جل جانے والا پہلو ہوں
ڈھل جانے والا آنسو ہوں　دن ہوں لیکن رات سے بدتر　موسم ہوں برسات سے بدتر
گھر ہوں لیکن کچھ اجڑا سا　کام ہوں لیکن کچھ بگڑا سا　محمل ہوں لیلےٰ سے خالی
اپنی بات نہ ہونے والی　بات نہ ہونے والی ہوں میں　گود کسی کی خالی ہوں میں
پھول ہوں لیکن رنگ نہیں ہے　نرگن ہوں کچھ ڈھنگ نہیں ہے　مال وہ ہوں جو کام نہ آوے
دل جسکو آرام نہ آوے　او فریاد کے سننے والے　کانٹے دل سے چننے والے
او سجدہ کروانے والے　او اللہ زمانے والے　او عاشق طیبے والے کے
او شیدا دیکھے بھالے کے　کون وہی محبوب اکرم　صلی اللہ علیہ وسلم
صدقہ اوسکی زیبائی کا　صدقہ اوسکی رعنائی کا　صدقہ اوس کمل والے کا
صدقہ اوس جنگل والے کا　اوس یثرب والے کا صدقہ　پیاری چھب والے کا صدقہ
صدقہ اوس صورت والیکا　صدقہ اوس امت والے کا　صدقہ اوسکے نام کا صدقہ

اسکے دین اسلام کا صدقہ اُسکے حسنِ پاک کا صدقہ اُسکے در کی خاک کا صدقہ
صدقہ اوسکی لاج کا صدقہ اس شاہِ معراج کا صدقہ صدقہ اوسکی چال کا صدقہ
صدقہ اوسکی آل کا صدقہ فاطمہ زہرا کا صدقہ اُسکے نقشِ پا کا صدقہ
صدقہ اور حسنین کا صدقہ صدقہ اور سبطین کا صدقہ اُنکی تشنہ لبی کا صدقہ
اُس آلِ عربی کا صدقہ ان سب کے صدقوں کا صدقہ اپنے کل بندوں کا صدقہ
آس میرے دلکی پوری کر دور یہ مرحلہ دوری کر اپنے پاس بلالے داتا
چین نہیں فرقت میں آتا تیرا ہوں تو اپنا کر لے اپنے پاس بلا کر دھر لے
دنیا میں کیا خاک دھرا ہے کوئی جیا ہے کوئی مرا ہے تو باقی ہر باقی سب فانی
کب ٹھہرا ہے بہتا پانی کوئی نہیں دنیا میں میرا یا معبود سہارا تیرا
جو ملیگا مطلب کا کر جی مورے بھاگ تماری مرجی کیسے باپ کہاں کے بھیا
کیسی بہنی کسکی میا کیسی جورو کس کا جاتا سب سے سچا تیرا ناتا
اومیری سدھ لینے والے ادین مانگے دینے والے اوکرتار خدائی والے
او یکتا بن بھائی والے او ہر پھول میں کھلنے والے او ہر رنگ میں ملنے والے
ملنے والے ہر ہر شے میں ہر ہر دھن میں ہر ہر لے میں ہر ہر تار کے اندر تو ہے
کل سنسار کے اندر تو ہے کوئی نہیں ساتھی بگڑے کا سر سو ہے تو رسے یہ ٹیکا
بخشش کی کچھ آس نہیں ہے اچھی پونجی پاس نہیں ہے پلے نیکی ایک نہیں ہے
چھوڑ چکے سب ناتے والے ٹھی ہیں نفرت گھر گھالے یا رخفا ہے دشمن ٹیڑھا
ناج نہ آوے آنگن ٹیڑھا او تصویر بنانے والے او تقدیر بنانے والے
ایک مجھے سو دکھ ہیں گھیرے اسکے آسکے پھیرے تیرے کچھ غم اپنی ویرانی کا
کچھ غم چاک گریبانی کا کچھ غم دنیا کے دھندوں کا کچھ غم دنیا کے بندوں کا
کچھ غم اور کچھ ناچاقی کا کچھ غم نادانی کا کچھ غم بیباکی کا کچھ غم گھر کی بربادی کا

کچھ غم اپنی ناشادی کا عیش کا پیرے گھر ٹوٹا ہے رنج بہت ہیں دل چھوٹا ہے
قسمت والا بدقسمت ہوں بدقسمت کی بگڑی مت ہوں بگڑی مت ہوں بدقسمت کی
پھوٹی قسمت اپنی مت کی جسکو چاہا صدمے جھیلے خالی مولی پاپڑ بیلے
معشوقوں سے جیں نہ پایا جز حسرت کچھ ہاتھ نہ آیا کچھ قدر سادات نہ جانی
دمڑی کی اوقات نجانی ملنا چھوڑا بیٹھ رہے گھر پاس رہے پردیس برابر
کوئی کسی کا ہوتا ہے کب دنیا ہے اور اپنا مطلب کوئی نہیں روتے کا ساتھی
جو ہے وہ ہوتے کا ساتھی او باقی رہجانے والے او ساقی رہجانے والے
پیاسا ہوں پانی پلوا دے تو مل جا سب کو ملوا دے تیرا ملنا سب کا ملنا
سب سے بہتر رب کا ملنا ملجا اور ملا دے یا رب بگڑا کام بنا دے یا رب
تیری یاد میں سبکو بھولوں بارہ ماس برابر پھولوں اپنوں کو بیگانہ جانوں
غیروں کو دیوانہ جانوں تورا دھیان ہو توری دھن ہو تورے گیان کا نیکا گن ہو
کوی پاس نہ بھٹکے داتا من بے ٹھور نہ بھٹکے داتا بھٹکے بھی تو تیرے مارے
مرجاے من میرے مارے ایک جگہ رہنا سہنا ہو اچھے بھاگ بھلا لہنا ہو
ٹاٹ کا ٹکڑا بستر ٹھیرے ہاتھ کے تکیہ پر سر ٹھیرے من ہو اور استھان گرو کا
دونوں آنکھیں لال بھبھوکا سارے تن پر راکھ ملی ہو اور ہی کچھ چتون بدلی ہو
کمل میں خوش حال رہوں میں ہر دم لالوں لال رہوں میں آس پاس پھیلی ماٹی ہو
چھوٹی سی ستیل باٹی ہو رین دنا توری آسا ہو تورا ہاتھ مورا کاسا ہو
جو مانگوں سو تو سے پاؤں اور کہوں مانگن نا جاؤں او سگری مایا کے مالک
او سگری کایا کے مالک او مالک سگری کایا کے او مالک سگری مایا کے
کایا کے مایا کے مالک مایا کے کایا کے مالک او مایا کایا کے مالک
او کایا مایا کے مالک یا کے مالک وا کے مالک جا کے مالک تا کے مالک

ہے مایا ہوں مایا دیہے دھوپ کے بدلے سایا دیہے سایا دیوے دھوپ کے بدلے
روپ دکھلا بہروپ کے بدلے موت اب آئے کوئی دم میں ہوں دن رات اسی کے غم میں
اکدن میری جان ہے جانی پھر کس برتے تتا پانی او مضطر کے پیارے مالک
جگ بھر کے او جیارے مالک پیارے مالک دنیا بھر کے او پیارے مالک مضطر کے
او مضطر کی سننے والے او اُدھڑی کے بُننے والے او مضطر کے پوچھن ہارے
او مضطر کے داتا پیارے او پیارے داتا مضطر کے او پوچھن ہارے مضطر کے
او دُکھیا مضطر کے وارث او مکھیا مضطر کے وارث او وارث مکھیا مضطر کے
او وارث دکھیا مضطر کے او اپنے بندوں کے آقا او حاجتمندوں کے آقا
او آقا حاجتمندوں کے او آقا اپنے بندوں کے او مضطر کے سچے آقا
تو یکا سب سچے آقا او سب کے ان دینے والے آپ دھنی دھن دینے والے
او رزاق بھلے چنگوں کے سائیں اپنے بھک منگوں کے قادر ہے تو قدرت والا
نادر ہے تو ندرت والا جو چاہے تو کر دے پل میں چاہے آگ لگا دے جل میں
چاہے رات بنا دے دن کو ممکن کر دے ناممکن کو سر پھیرے سر پھیر کے گھیرے
پھیرے گھیر کے پھر سر پھیرے منہ موڑے منہ موڑ کے چھوڑے چھوڑے چھوڑ کے پھر منہ موڑے
دُکھ ڈالے دُکھ ڈال کے ٹالے ٹالے ٹال کے پھر دُکھ ڈالے بس گھولے بس گھول کے ڈھولے
ڈھولے ڈھول کے پھر بس گھولے دل توڑے دل توڑ کے جوڑے جوڑے جوڑ کے پھر دل توڑے
سمجھے کون تری باتوں کو ان رمزوں کو ان گھاتوں کو اپنی باتیں تو ہی جانے
او ۔ لو ۔ ی یو نکر پہچانے او مضطر کے سکھ کے ساتھی او مضطر کے دکھ کے ساتھی
دکھ کو سکھ کر دینے والے سکھ کو دکھ کر دینے والے سکھ کے مالک دکھ کے مالک
او میرے دکھ سکھ کے مالک دکھ کے بعد سکھی تو کیجیو سکھ کے پاچھے دُکھ نا دیجیو
بس مضطر کب تک روئے گا ڈالے داغ وہی دھوئیگا

اُردُو زبان کس قدر وسیع ہو سکتی ہے

مروج یا معلوم زبانوںمیں غالباً ایک اردو ہی ایسی زبان ہے جسکا سنہ ولادت نہیں تو زمانۂ ولادت سب جانتے ہیں ورنہ اور زبانوں میں سے کیسکی ہسٹری معلوم ہو تو بھی اوسکے آغاز کی کیفیت ضرور ہوش و حواس کی گرفت سے باہر ہے۔ اور نیز کم ازکم قدیم زبانوں سے اردو کا اسبارہ میں بھی تفاوت ہے کہ اُسکی ولادت شہر میں ہوئی ہے۔ ورنہ قدیم زبانیں بالعموم ایسے وقت میں پیدا ہوئی ہونگی جبکہ اونکے موجدوں کو شہریت اور مجتمعہ آبادی کا ڈھنگ بھی نہ آیا ہوگا۔ کم ازکم سنسکرت اور عربی کو تو ایسا ہی پایا ہے سنسکرت بولنے والونکا ہندوستان میں اُوسوقت آنیکا پتہ ملتا ہے جبکہ وہ دہقانی اور صیادانہ زندگی بسر کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگونکی زندگی جنگلوں یا چھوٹے گانوں میں بسر ہوتی ہوگی اور اس سے بڑھکر عربی کی نسبت یقین ہے کہ وہ بدویوں اور خانہ بدوشوں کی زبان ہے اور اب جبکہ عربی نے شہروں اور ملکوں پر تصرف کر لیا ہے ابتک بھی فصیح زبان بدویونکی سمجھی جاتی ہے اور شہروں کے زبان خواہ اسی ملک عرب کے شہروں فصاحت میں کمتر مانی جاتی ہے۔ یہی حال اور زبانونکا بھی ہوگا۔ کیونکہ جب زمانے کی قدیم روش یہی خانہ بدوشی اور صحرائی زندگی ہے تو جو زبان قدامت کا فخر رکھتی ہے اوسکی ولادت بھی اسی حالت میں ہوئی ہوگی۔ اور پھر جنگلوں اور گانوںمیں پیدا ہوکر ابتدا میں زبان کے اندر وہی الفاظ ایجاد ہوئے ہونگے جنکی ضرورت صحرائی سادہ زندگی میں ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اِس حالت میں زبان کے اندر بہت ہی مختصر سرمایہ اور بہت ہی کم الفاظ ہونگے۔ اُسوقت سادہ سادہ آلات کاشتکاری اور بہت تھوڑے اسلحہ مدافعت یا شکار کیلئے درکار ہوتے ہونگے اور محض سادہ اجناس اور

آلات کا لین دین کرنے کو زبان کی ضرورت پیش آتی ہوگی لیکن پھر عقل و شعور اور تہذیب و تمدن میں ترقی کرنے پر اور صحرائی زندگی کو شہریت اور سوسائٹی میں بدلنے پر نئی نئی چیزیں نئے سامان اور نئے کاروبار پیدا ہوتے ہوں گے اور زبان کو ترقی پانے کا موقع ملتا ہوگا۔ اور آئندہ کیلئے کوئی قوم جسقدر تہذیب و تمدن میں ترقی کرتی جاتی ہوگی اوسیقدر اوسکے الفاظ کا ذخیرہ بڑھتا جاتا ہوگا اور حسب ضرورت استعارے کنائے ضرب الامثال اور تشبیہیں پیدا ہوتی رہتی ہونگی حتی کہ ایک وقت پر وہ قوم علوم و فنون کو اپنی زبان میں لانے کا شوق کرتی ہوگی اور اسطرح کی جد و جہد سے زبان میں علمی اور اصطلاحی الفاظ اور عالمانہ مضامین ادا کرنے کے قابل محاورات داخل ہونے کے بعد اس زبان کو وسیع مہذب اور مکمل زبان ہونے کا فخر حاصل ہوتا ہوگا۔ اور اگرچہ دنیا میں کمال کسی چیز کو حاصل نہیں اور ترقی کا رستہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے اور اسلئے کسی قوم اور کسی زمانہ کے علوم و فنون اور اونکے ساتھہ اسوقت کی زبان بھی کسی حد پر جاکر ٹھہر نہیں سکتی اور اگر قوم میں جذبۂ ترقی موجود رہے تو اسکے علوم و فنون اور اسکی زبان غیر متناہی ترقی کے قابل ہے اور کسی حال میں مکمل نہیں کہلا سکتی۔ تاہم جب کسی زمانہ میں ابتدائی ذرایع زیست یعنی کاشتکاری اور گلہ بانی کے متعلق اور اعلی مدارج زندگی یعنی شہریت اور اسکے کاروبار اور تکلفات کے متعلق اور روحانی زندگی یعنی علوم و فنون کے متعلق الفاظ کا کافی ذخیرہ موجود ہو تو اوسکو وسیع اور بدینوجہ کامل کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے علاوہ آیندہ مدارج ترقی میں ساتھہ دینے اور متوقعہ ضرورتوں کو پورا کرنے کی امید ہے

غرض زبان کے مکمل اور وسیع ہونے کی صورت میرے خیال میں یہی ہے کہ اسمیں دیہقانی اور شہری اور علمی ضرورتوں کے لیے الفاظ کا ذخیرہ موجود ہو

اور اس قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر جب ہم اردو کو دیکھتے ہیں تو اس میں ابتدا سے شہری ضروریات اور شہری تکلفات کا سامان موجود پاتے ہیں اور اس سے پہلے درجہ کا سامان یعنے دیہاتی ضرورتوں کے الفاظ اور زراعت کے متعلق مختلف اصطلاحیں اگرچہ حقیقت میں اردو کی ملکیت نہیں ہیں کیونکہ وہ شہر میں رہی ہے تاہم چونکہ شہروں اور گاؤں کا باہم تعلق ہے اگر ضرورت ہو تو وہ الفاظ اردو میں بخوبی استعمال ہو سکتے ہیں۔ اور اس سے آگے کا سلسلہ یعنی علمی اور اصطلاحی الفاظ انکی جانب ابھی تک توجہ نہیں ہوئی۔ اور جیساکہ واویلا کیا جا رہا ہے اور ضرورت محسوس ہوتی ہے اگر کبھی اسطرف توجہ ہوئی تو جس صورت سے علمی الفاظ اور زبانوں میں ایجاد ہوا کرتے ہیں اسیطرح اردو میں بھی ہونے ممکن ہیں یعنی اور زبانوں میں کچھہ تو خود اپنے مصادر اور مادوں سے نئی شکلیں ایجاد کیجاتی ہیں اور کچھہ علمی سبقوں کے ساتھہ غیر زبانوں کے الفاظ بھی سیکھتے جاتے ہیں اور اپنی زبان میں استعمال کرنے لگتے ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے مصادر سے اسیقدر الفاظ نکل سکتے ہیں جسقدر مصادر پہلے وضع ہو چکے ہیں اور وہ کسی زبان میں کم ہیں کسی میں زیادہ۔ اور غیر زبان سے لفظ لینے کے وقت اکثر زبانیں بہت تامل کرتی ہیں اور اس تامل کی علامت یہ ہے کہ لفظ کو اسکی اپنی شکل اور تلفظ پر رہنے نہیں دیا جاتا بلکہ خود اپنی شکل اور اپنے تلفظ کا کچھہ نہ کچھہ سایہ ڈال کر اور معرب بالفرس ذخیرہ بناکر استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اسکے خلاف ادہر اردو کا یہ حال ہے کہ اسکا اپنے مصادر کا سرمایہ ایک لحاظ سے کچھہ بھی نہیں کیونکہ یہ بنی ہی بن بن کی لکڑی سے ہے اور ایک لحاظ سے جسقدر اندرونی سرمایہ اسکے پاس موجود ہے اور کسی زبان میں ممکن نہیں کیونکہ عربی فارسی سنسکرت تین تین وسیع اور علمی زبانیں اسکی امہات میں داخل ہیں اور یہ اون میں سے شیر مادر

کیطرح کسی کا لفظ لیلے اجنبی معلوم نہیں ہوتا۔ اسطرح پر جسقدر ذخیرہ اسکے تصرف میں ہے وہ اور زبانوں میں کہاں۔ اور نیز ان تینوں کے علاوہ اور زبانوں کے الفاظ جو علوم یا دیگر کاروبار کے ساتھہ آئیں اردو کو دوسری زبانوں کیطرح انسے کوئی تعصب نہیں۔ چنانچہ اجنبی الفاظ کی جہاں عربی اور فارسی وغیرہ میں آکر ایسی گت بنتی ہے کہ پہچانے نہیں جاتے جیسے لاندرہ (لنڈن) اطریش (آسٹریا) دقطور (ڈاکٹر) سیتہ (سٹی) وہاں اردو میں انکو سر آنکھوں پر جگہہ دیجاتی ہے اور میلا ہاتھہ نہیں لگنے پاتا اور اسیطرح امن و امان سے رکھے ہوتے ہیں گویا اپنے گھر میں ہیں یعنی وہی تلفظ اور وہی لہجہ۔ اور اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ اہل ہند غیر ملکوں کے لب ولہجہ کی نقل کرنے میں جو کمال رکھتے ہیں دنیا کی کسی قوم میں نہیں ۔ انگریز ہندوستان میں عمریں بسر کرتے ہیں۔ کابلی ایرانی اور عرب اکثر آتے رہتے ہیں مگر بہت کم لفظ یہاں کے لب ولہجہ کے مطابق ادا کرسکتے ہیں اور ہندوستانی سب نہیں تو اکثر اور سب کچھہ نہیں تو بہت کچھہ اجنبی زبان کو اس قدرت سے ادا کرتے ہیں کہ اہل زبان کا دھوکا ہوتا ہے اور دوسرے جہاں اور زبانوں میں غیر زبان کی بعض آوازوں کیلیے حروف نہیں ہوتے وہاں اردو میں اکثر مروجہ زبانوں کے قریبًا تمام آوازوں کے لئے حروف موجود ہیں اور غیر زبان کا لفظ آتا ہے تو اسکو مناسب حال حروف میں لکھا جاکر صحیح بولا جاسکتا ہے۔

اردو کے ان اوصاف کو دیکھکر یقین ہوتا ہے کہ اسمیں ترقی کرنے اور تمام کاروباری اور علمی خیالات کو لینے کی قابلیت اکثر زبانوں سے زیادہ ہے اور چند ایک وسیع زبانوں کے مادّی سرمایہ پر قبضہ رکھنے اور غیر الفاظ کو آسانی کے ساتھہ لینے کی وجہ سے اسکی دولت بے انتہا ہے اور ہم لوگ جو افسوس اور حسرت اپنی زبان کے وسعت کے متعلق ظاہر کیا کرتے ہیں اسکا باعث خود

ہماری کوتاہی اور غفلت ہے - ورنہ کوشش کریں تو زبان کو ترقی دینے کے تمام مدارج طے کر سکتے ہیں اور ضرورت ہے تو اسیقدر کہ ہم لوگ علوم کیطرف توجہ کریں اور انکو اپنی زبان میں لانے کی ٹھان لیں - پہلے جو کام کیا جاتا ہے ضرور مشکل معلوم ہوتا ہے مگر عزم صادق کرنے کے بعد دیکھیں گے کہ الفاظ کی وجہ سے کبھی دقت پیش نہ آئیگی -

مگر میں نے ابھی تک اردو کا روشن پہلو دیکھا ہے اور اسکے متعلق ایک امر میں غور کرنا باقی ہے اور وہی ایک دقت ہے جو میرے خیال میں اردو کی ترقی کو روکتی ہے اور کوشش کرنے والوں کا حوصلہ پست کیے دیتی ہے - زبان کا سرمایہ بیشک الفاظ ہوتے ہیں مگر صرف الفاظ ہی پر زبان کا مدار نہیں بلکہ الفاظ کو ترکیب دینا اور کسی کو آگے اور کسیکو پیچھے رکھکر کلام کو موزوں کرنا جسکو محاورہ کہتے ہیں یہ بھی ایک کام ہے اور اردو کی یہ کیفیت ہے کہ وہ ایک خاص شہر میں پیدا ہوئی ہے اور اوس شہر میں الفاظ کو ترکیب دینے کا جو دستور یعنی محاورہ تھا اسکو اردو کا جزو لاینفک گردانا گیا ہے - البتہ واقعات نے پلٹا کھایا اور اردو کے مولد یعنے دلی پر آفت آئی - خدام سخن یعنے شعرا اور اہل تصنیف کی توقیر نرہی اور ادہر دربار لکھنؤ نے قدر افزائی کے دریا بہائے سب باکمال سمٹ کر وہاں جا بسے - اور پھر یہ بھی قانون قدرت تھا کہ دو شہروں کا لب ولہجہ اور محاورہ ایک ہو تخم دلی کا تھا مگر لکھنو کی سرزمین میں پرورش پانے سے رنگ روپ میں کچھ نہ کچھ فرق پڑ گیا اور یوں ایک شہر کے بجائے دو شہروں کے محاورہ پر اردو کا انحصار ہو گیا اگرچہ میر تقی اوسوقت بھی جامع مسجد کی سیڑھیوں اور گدڑی کے بازار کو اردو کی ٹکسال کہتے رہے اور زبان بگڑنے کے ڈر سے راہ چلتے بات کرنی گوارا نہ کی مگر زمانہ کا ہاتھ زبردست تھا ان کی کون سنتا - دلی کے ساتھ لکھنو برابر

حق دار قرار پایا اور حسین آباد کے مرثیوں نے لال قلعہ کی غزلوں کے برابر سند بننے کی عزت حاصل کی۔ دلّی کی بربادی اور اہل سخن کے جلا وطنی کا ایک نتیجہ خوشگوار نکلا کہ جہاں پہلے دلّی کے محاوروں کے خلاف یوں غلط سمجھا جاتا تھا وہاں یہ عذر پیدا ہو گیا کہ دلّی نہیں تو لکھنؤ والے ایسا کہتے ہیں اور محاورہ میں ذرا وسعت آ گئی۔ مگر پھر بھی زبان کیلئے دو شہروں کی کیا حقیقت ہے۔ وہ چاہے کیسے ہی بڑے شہر ہوں اور کتنے ہی بڑے بڑے کاروبار کے متعلق بول چال کا اتفاق ہوتا ہو پھر بھی وہ محاورے محدود دیکھے اور زبان کو وسیع اور علمی زبان بننے کے لیئے جس طرح ہر دو شہروں میں استعمال ہونے والے الفاظ کافی نہیں ہیں اور آیندہ اور الفاظ ایجاد کرنے کی ضرورت ہے اسیطرح الفاظ کے برابر نہ سہی الفاظ سے کم مگر پھر بھی بہت بڑی مقدار مختلف طرز ادا اور محاورات کی درکار ہے اور الفاظ کی طرح اس غرض کو بھی دو شہر پورا نہیں کر سکتے۔ اور بدقسمتی یہ کہ لکھنؤ کے بعد پھر کہیں نہ اہل سخن کا وہ جمگھٹا ہوا اور نہ اور محاورات نے زبان میں دخل پایا اور مان لیا گیا کہ اردو وہ ہے جو دہلی یا لکھنؤ کے محاورہ کے مطابق ہو۔ اور اسلیے دوسرے شہروں کا کوئی کیسا ہی قادر الکلام سخنور ہو اسکے کلام میں ذرا کوئی محاورہ دونوں شہروں کے خلاف آیا اور اسے غلط اور کہنے والے کو اردو سے ناواقف قرار دیا گیا۔ اور یہ دلّی اور لکھنؤ کا ایسا رعب بیٹھا کہ اب اکثر اہل علم جو علوم و فنون کے ذخیرے اردو میں جمع کر سکتے ہیں ترجمہ کرتے ہوئے یا کتاب لکھتے ہوئے جھجکتے ہیں + کہ ہم دلی یا لکھنؤ کے محاوروں کے

+ میں نے اکثر اپنے گریجوایٹ دوستوں سے درخواست کی ہے کہ انگریزی کے عمدہ خیالات کو اردو میں ترجمہ یا تصنیف کریں اور بعض اوقات کسی خاص کتاب پر زور دیکر اور اسکی ضرورتکا قائل بنا کر کہا ہے تب بھی وہ بالعموم یہی جواب دیتے ہیں کہ "اردو لکھنا نہیں آتا مجبور ہیں" اور انکا

قدرت نہیں رکھتے مبادا غلط اردو لکھکر زبان دانوں کی ملامت کا نشانہ بنیں اور اور واقع میں جو شخص اپنے شوق سے مجبور ہو کر یا کوئی برخود غلط اپنے تئیں دہلی اور لکھنؤ کے اردو کا ماہر جانکر کوئی تصنیف کر بیٹھتا ہے تو زبان کے ٹھیکہ دار اُسے پنجابی اردو یاد کھنی اردو کہکر پلّے نہیں باندھتے۔ اور در حقیقت ہے یہ تکلیف مالایطاق کہ کوئی شخص پیدا ہوا اور شہر میں اور اس سے بولنے کے وقت دلّی کی تقلید میں سرمو لغزش نہو۔ بلکہ جس طرح ہر شہر کے عادات اخلاق اور رسم و رواج میں اختلاف ہوتا ہے اور ممکن نہیں کہ دو شہر ہر بات میں یکساں ہوں اسی طرح الفاظ کو ترکیب دینے اور اسمار و افعال کے ساتھ حروف کو ملانے میں بھی ہر شہر کا اندازہ جدا ہوتا ہے اور ناممکن ہے کہ اہل شہر اپنے شہر کے انداز کو بالکل بھول جائیں۔

غرض زبان ہو تمام ملک کی اور اسکی صحت کا اجارہ صرف دو شہروں کو دیا جائے یہ محض اردو ہی کا خاصہ ہے جو اور کسی زبان میں نہیں اور یہ پیدا ہوا اسلیے کہ دلّی اور لکھنؤ جیسے دارالخلافۃ اردو کے قرار پائے اور اُنھوں نے اپنی طلاقت کے آگے کسیکو بات کرنے کے قابل نہ سمجھا۔ ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ عربی جنگل میں پیدا ہوئی جب شہر بسے اور شہر والوں نے اسمیں تراش خراش کی تو جنگل والوں کی کیا مجال تھی جو اُنکے مُنہ آتے وہ جسطرح شہر والوں کے رسم و رواج اور تکلفات سے مرعوب ہو جاتے ہیں اسیطرح اسکے طرز کلام کو بھی نہ بول سکے۔

باقی آیندہ۔

(محمد محمود علی)

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۱) مطلب اس سے دلّی یا لکھنؤ کی اردو ہوتا ہے ورنہ رواجی اردو دو خاصہ بولتے اور لکھ سکتے ہیں۔ اور اُدھر بھاکھا یا گورمکھی میں چونکہ ایسی بندری کی چندی نکالی نہیں جاتی اسلئے بھاکھا ترقی کر رہی جاتی ہے اور گورمکھی کرلے گی۔

اُڑتی ہوئی تیتریاں

دو تیتریاں ہوا میں اُڑتی دیکھیں — اک آن میں سو طرف کو مڑتی دیکھیں
بھولی، خوش رنگ، بہت نازک، پیاری — پہنے ہوئے فطرتی منقش ساری
پھرتی ہے کہ برق کی طبیعت کا اُبھار — تیزی ہے کہ آنکھ کو تعاقب دشوار
جو فاصلہ کر لیا ہے باہم قائم — وہ بھی ہے بلا زیادت حکم قائم
گو تابع جوشش برق پروازی ہیں — دونوں کے خطوط طیر متوازی ہیں
کیونکر میں کہوں کہ یہ نظر بندی ہو — اللہ اللہ کیا ہنرمندی ہے
ان جانوروں میں گر اسکول کہاں — فطرت کے چمن میں صنعتی پھول کہاں
کس بزم سے ایسا ناچ سیکھ آئی ہیں — پریاں اندر کی جس سے شرماتی ہیں

اس سمت اگر خیال انسان بڑھ جائے
دامانِ نظر پہ رنگِ عرفاں چڑھ جائے

(اکبر)

ملکی کفایت

(گذشتہ سے پیوستہ)

ہم دیکھتے ہیں کہ باغ جہاں میں وضع وضع کے پودے اور رنگ برنگ کے پھول پیدا ہوتے ہیں۔ پہاڑوں کی گھاٹیاں اور چشموں کے کنارے ان خودرو پودوں سے سے پٹے پڑے ہیں جنکو دست قدرت نے اپنی نیرنگی کا کرشمہ دکھانے کے لئے اس خوبی کے ساتھ زینت دی ہے۔ ہر پھول کا رنگ جدا۔ ہر کلی کی بناوٹ انوکھی۔ ہر پتے کا ڈھنگ نرالا غرض ہر بات میں اختلاف عیاں ہے مگر اس اختلاف کے ساتھ ہی گلشن عالم میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو گلاب کے چھوٹے سے پودے سے لیکر بڑکے جنگلی درخت تک یہی واحد پائی جاتی ہیں مگر جنکے دیکھنے کے لئے نظر تحقیق درکار ہے جس طرح گلاب کی جڑ کو پانی کی نمی چاہئے۔ اسیطرح بڑ کی جڑیں تلاش آب میں زمین کے اندر ہی اندر سرنگ لگاتی ہیں جسطرح گلاب کے پتے ہوا میں سے کاربن چوسنے کے لئے دن بھر اپنا منہ کھولے رہتے ہیں اسی طرح بڑ کا ہر پتا اس ہوا کو جذب کرتا رہتا ہے جس طریقہ سے بڑ کا گھن دار پیڑ چھوٹی سی چھوٹی شاخ کو خوراک پہونچا کر اپنی ظاہری پوشش ترو تازہ رکھتا ہے اسی طرح گلاب کا پودا بھی اپنی ننھی ننھی نازک رگوں کے ذریعے ہر پتی اور کونپل کے منہ میں خوراک پہونچاتا ہے اس دنیوی چمن کے انسانی پودوں کا بھی یہی حال ہے رنگ برنگ کے گل بوٹوں کی مانند انسان کی طبائع بھی مختلف المزاج ہوتی ہیں مگر اصول ہستی عام مخلوق میں یکساں ہے۔ نسل انسان میں اگرچہ دیکھنے میں کوئی کالا کوئی گورا کوئی بھورا ہوتا ہے اور ہر ایک کی طبیعت ایک دوسرے سے جدا۔ عادات علیحدہ۔ حاجات مختلف

مگر زندگی کے چند قوانین ہیں۔ جن کے سب آدمی پابند ہیں اور ان ہی ابتدائی اصولوں میں یگانگت کا پتہ چلتا ہے۔ ان قوانین میں جنکی اطاعت قدرت نے اہل دنیا کے لئے واجب قرار دی ہے ملکی کفایت کے علم کی بحث صرف ایسے قواعد سے ہے جو انسانی ضروریات سے تعلق رکھتے ہیں، چنانچہ اسی کے ضمن میں قانون اختلاف ہے۔ قدرت کی رنگارنگی کا عکس انسان کی طبیعت میں بھی موجود ہے اور اسکے ہر فعل سے پایا جاتا ہے کہ خدا نے اشرف المخلوقات کو اختلاف پسند بنایا ہے۔ کسی شخص کے پاس اگر ایک وضع کے کپڑوں کا جوڑا ہے تو دوسرا جوڑا وہ دوسری وضع کا بنوائے گا۔ اگر صبح کو ایک قسم کا کھانا کھایا ہے تو شام کو اور قسم کا کھانا کھانے کو جی چاہے گا۔ اگر کسی کو فوٹو لینے کا شوق ہے تو وہ ایک ہی شخص یا جگہ کے فوٹو نہیں لے گا۔ بلکہ مختلف شخصوں اور مختلف مقاموں کی تصویریں اتارے گا۔ درحقیقت ہم میں اختلاف کی طرف اسقدر طبیعت کا رجحان دیا گیا ہے کہ جس کی سینکڑوں مثالیں ہمارے روزمرہ کے کاروبار میں ملتی ہیں مثلاً کوئی شخص اپنے دوست کے مکان پر ملنے جائے اور اس مکان کے دو راستے ہوں تو واپس آتے وقت اس کا اکثر یہی جی چاہے گا کہ چلو دوسری راہ سے واپس چلیں صرف اس وجہ سے کہ ایک قسم کا تغیر ہو جائے۔ انسان کے اختلاف پسند ہونے کا اقتضا یہ ہے کہ اسکی حاجات مختلف ہوں لیکن اس اختلاف کے ساتھ ہی ہماری ضروریات اپنی اہمیت کے لحاظ سے یکے بعد دیگرے پیش آتی ہیں۔ ہوا اور پانی کے علاوہ سب سے اول ہم کو روٹی کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر ہمارے پاس اشیائے خوردنی کفایت سے زیادہ مقدار میں موجود ہیں تو پھر یہ جی چاہتا ہے کہ مزے مزے کے کھانے پکوائیں اور ہمارے دسترخوان پر وضع وضع کے خوانِ نعمت چنے ہوں۔ لباس اتنا ضروری نہیں جتنی خوراک ضروری ہے لیکن اگر رزق کی طرف سے

فکر سی ہو جاتی ہے تو پھر تن ڈھانکنے کا خیال آتا ہے اور اگر خدا نے اتنا دیا ہے
چھے اچھے کپڑے بنوا سکیں تو پھر ذاتی زیبایش اور آرام مدنظر ہوتا ہے۔ اسکے
ہنے کو مکان درکار ہوتا ہے جتنی آدمی کے پاس دولت ہو گی اتنے ہی بڑے
لیشان مکان میں اسکا رہنے کو جی چاہے گا۔ غرض اسی طرح جب حیثیت
ے موافق مل گیا تو فرش فاروش اور اس کی آرایش کا شوق دل میں پیدا
وتا ہے۔ علی ہذا القیاس ایک حاجت کے بعد دوسری حاجت پورا ہونگی
رض سے سامنے آتی ہے۔ چنانچہ اسی اصول کو جسپر یہ لاانتہا سلسلہ حاجات
نی ہے علمی اصطلاح میں اصول تسلسل حاجات کہتے ہیں۔ حاجتوں کا یہ سلسلہ غیر
نتہی ہے یعنے کہیں ختم ہونے والا نہیں۔ جب تک دنیا قائم ہے اور اس میں
رقی کا جذبہ باقی ہے اسوقت تک دولتمندوں کی خواہشات برابر بڑھتی رہینگی
اور اسکا ثبوت ہم کو روزمرہ کی زندگی میں کافی طور پر ملتا ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں
کہ جسکے پاس ایک مکان ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ میرے پاس دو ہو جائیں اور
جسکے پاس دو ہیں وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ میرے پاس چار ہو جائیں اسی
پیمانے پر یہ سلسلہ چلا جاتا ہے اور کہیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ دنیا میں ہم خواہ
کتنی ہی دولت کیوں نہ پیدا کر لیں لیکن ہمیشہ ہم کو یہ محسوس ہو گا کہ ابھی اور چیز کی
ضرورت ہے لہذا اگر کافی دولت پیدا کر سکتے ہیں تو وہ ایک قسم کی ہو گی اور
سب وضع کی دولت کبھی اتنی پیدا نہیں ہو سکتی جو کفایت سے زیادہ ہو۔
کاریگروں اور کام پیشہ لوگوں کو اکثر یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ جب ہر ایک چیز کل کے
ذریعے بننے لگے گی تو پھر ہمارے پاس رزق کا وسیلہ کیا رہیگا اور اس بنا پر جب
کبھی کسی چیز کو کل کے ذریعے بنانے کا کارخانہ کھولا جاتا ہے تو کاریگر اسکی سخت
مخالفت کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دل میں سمجھ لیتے ہیں کہ جہاں کہیں کل آئی وہاں

سے ہماری روٹی گئی۔ یہ خیال کسی خاص ملک یا قوم تک محدود نہیں بلکہ ہر ملک اور ہر قوم کے لوگوں نے اول اول کلوں کی سخت مخالفت کی ہے۔ چنانچہ انگلستان میں جو نہایت تعلیم یافتہ ملک خیال کیا جاتا ہے جب کلوں کا رواج شروع ہی ہوا تھا تو مختلف پیشوں کے کاریگروں نے ایکہ کرکے یہ کوشش کی تھی کہ کلوں کو ہاتھ نہ لگائیں اور کام بند کردیں چنانچہ کام کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا اور اپنے کارخانداروں کو مجبور کرنے کی خاطر طرح طرح سے ناجائز زور ڈالا مگر آخر میں ان کو اپنی غلطی معلوم ہوگئی اور اب یہ زمانہ آگیا ہے کہ گھر کی جھاڑو تک کل کے ذریعہ سے دی جا سکتی ہے ان کی غلط فہمی کی بنا یہ تھی کہ اپنے ذہن میں وہ کام فقط کام کی خاطر کرتے تھے اور یہ نہ سمجھتے تھے کہ ہم جو کام کرتے ہیں وہ اس غرض سے نہیں کہ سر پر ایک مصیبت ہے جسکا ٹالنا ضروری ہے بلکہ اس لئے کہ دولت پیدا کریں۔ چنانچہ انھوں نے جب دیکھا کہ ایک چیز جسکو ایک آدمی اپنا دن بھر خرچ کرکے شام کو تیار کرتا کرتا تھا کل کے ذریعے سے دن بھر میں اُس ساتھ کی سینکڑوں بلکہ ہزاروں تیار ہو سکتی ہیں تو انھوں نے فوراً نتیجہ نکال لیا کہ بس اب ہماری روٹی گئی لیکن اگر وہ اس اصول کو سمجھ لیتے کہ کام کرنے کی مشقت اسوجہ سے اٹھائی جاتی ہے کہ دولت پیدا ہو اور دولت مجملاً کبھی اتنی پیدا نہیں ہو سکتی کہ لوگوں کو اس کی ضرورت نہ رہے تو اول ہی بہت سی قابل افسوس جہالت کا تدارک ہو جاتا اصل یہ ہے کہ اگر بازار میں ایک چیز کی اتنی افراط ہو گی کہ پبلک کو اسکی پروا نہ رہے تو بہت سی ایسی چیزیں بھی ہوں گی کہ جن کی لوگوں کو اشد ضرورت ہوا اور جو کمیاب ہوں اس لئے اگر ایک قسم کی تجارت میں کاریگروں کی کم مانگ ہے تو ان کو اتنی دقت ضرور اٹھانی پڑے گی کہ دوسری قسم کا کام سیکھیں جسکے کاریگروں کی زیادہ مانگ ہے۔

اب دوسری توجہ کے قابل بات یہ ہے کہ ہم کسی چیز کا کارآمد یا بے فائدہ ہونا دریافت کریں۔ یہ معلوم کریں کہ کسی حالت میں ایک چیز کام کی ہے اور کسی حالت میں نہیں ۔ اسکا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ سے پوچھیں کہ آیا ہم کو فلاں چیز کی ضرورت ہے یا نہیں۔ ہم اوپر یہ لکھ آئے ہیں کہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں مثلاً ہوا پانی پتھر جو درحقیقت اجزائے دولت نہیں کہلائی جاسکتیں کیونکہ یا تو ہم کو ان کی ضرورت نہیں جیساکہ پہاڑوں کے پتھر اور اگر ہے تو انکے حاصل کرنے میں ہم کو کوئی دقت نہیں اٹھانی پڑتی جب ہمارا جی چاہتا ہے مل جاتی ہے جیسے کہ ہوا۔ اکثر لوگوں کو کہتے سنا گیا ہے کہ پانی دنیا میں ازحد مفید شے ہے اور کوئی چیز اس سے زیادہ کارآمد نہیں۔ اسکے کارآمد ہونے میں کسیکو کلام نہیں ہوسکتا۔ مگر جب ہم یہ کہیں کہ پانی سب سے زیادہ کارآمد چیز ہے تو ہمکو یہ بھی ساتھ ہی کہدینا چاہیئے کہ اپنے موقع اور وقت پر کارآمد ہے اور یہ تخصیص ہر شے پر عائد آتی ہے یہی پانی جو موسم گرما میں پیاسوں کی جان اور لوگونکے خشک گلوں کو تر کرکے ان میں نئی روح پھونکتا ہے برسات کے موسم میں اگر کفایت سے زیادہ برسے تو اپنی ضرر رساں تاثیر کو اچھی طرح ظاہر کردیتا ہے۔

گرمیوں کے دنوں میں جب آفتاب کی دہکتی ہوئی تھالی میں سے منہ جھلسنے والی شعاعیں خط مستقیم میں ہمارے سروں پر پڑتی ہیں اور جہاں تک نظر کام کرتی ہے سوائے نیلے آسمان کے بادل کا کوئی ٹکڑا نظر نہیں آتا۔ جب دھوپ کی تپش ہمارے پاؤں تلے کی زمین کو جلتے ہوئے توے سے زیادہ گرم کردیتی ہے اور لوؤں کے جھکڑ جلتی جلتی خاک آنکھوں میں بھرتے ہیں اور ہم لوگوں کو مارے گرمی کے مچھلی بے آب کی طرح تڑپتا دیکھتے ہیں اسیوقت ہماری آنکھیں ابر کا ایک ذرا سا ٹکڑا دیکھنے کو ترستی ہیں۔ اسوقت ہماری معمولی ضرورت

مقصد آرزو ہو جاتی ہے اور ہمارے دلوں سے بے ساختہ یہ دعا نکلتی ہے کہ یارب پانی کا ایک چھینٹا پڑ جائے۔ اگر اسوقت بارش ہو جائے تو ہم کو فوراً محسوس ہوتا ہے کہ پانی بھی خدا نے کیا نعمت عظمےٰ عطا فرمائی ہے۔ لیکن اگر یہی پانی ایسے وقت اور ایسی جگہ پڑے جہاں اسکی مطلق ضرورت نہیں مثلاً فصل کاٹنے کا زمانہ ہے کسان اپنی مہینوں کی محنت کا پھل دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہے۔ آسمان پر سورج کی حرارت اسکے دل میں جوش و غرور پیدا کر رہی ہے اسکو خوشی لگی ہوئی ہے کہ آج سے چوتھے روز میرے کھیت کی بالوں میں دانہ خوب بڑا بڑا ہو جائے گا اور جو جو اپنی لہلہاتی کھیتی میں ہوا کی سرسراہٹ کا تماشہ دیکھتا ہے اسکے اعضا میں انتہائے مسرت سے سنسنی پیدا ہوتی ہے۔ اسوقت سورج اس کے لئے سب سے بڑا مہربان دیوتا ہے اسکی تیزی اور گرمی اسکی جان ہے اگر اتفاق سے کوئی بادل کا ٹکڑا تھوڑی دیر کے لئے اس جگمگاتے ہوئے چشمہ نور پر نقاب ڈالدیتا ہے تو بچارے کسان کے چہرے پر غم کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں اور اگر ایسے وقت آسمان پر گھنگھور گھٹا چھا جائے اور موسلا دھار پانی پڑنے لگے تو پھر کوئی اسکے دل کی حالت پوچھے۔ آسمان پر گھٹا کیا ہوتی ہے گویا اس کے قلب پر رنج و الم، حسرت و یاس کی تاریکی چھا جاتی ہے اور اسوقت حقیقت کھلتی ہے کہ یہی پانی جس نے اس پکی پکائی کھیتی کی آغاز میں اتنی خدمت کی اور اپنے اثر سے زمین کو نرم اور تر و تازہ کرکے ناز و نعمت کے ساتھ پالا آج اپنے پروردہ کا آپ ہی برباد کنندہ بنا ہوا ہے یہ کچھ بندھ کے پانی پر منحصر نہیں بلکہ جہاں کہیں بھی ہمکو اسکی ضرورت نہ ہوا اور وہاں یہ موجود ہو جائے تو ہمیشہ خرابی کا باعث ہوگا۔ فرض کرو کہ ہمنے پتھر کا کوئلہ نکالنے کی ایک کان کھودنی شروع کی اور نیچے پہونچکر ہم کو معلوم ہوا کہ جوں جوں گہرا کھودتے جاتے ہیں پانی کی

سوتیں نکلتی آتی ہیں تو ظاہر ہے کہ وہاں پانی ہمارے لیے مفید نہیں البتہ اگر کنواں کھودیں اور وہاں خالص اور صحت بخش پانی نکلے تو وہ مفید اور کارآمد ہوگا۔ یہ بڑے بڑے اور قدیم دریا جو گنگا اور جمنا کے نام سے مشہور ہیں اور اپنے فیض سے ملک کے وسیع قطعات کو سیراب کرتے ہیں ان ہی میں جب کبھی غیر معمولی چڑھاؤ آتا ہے تو سینکڑوں قیمتی جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔ انگریزی میں ایک مثل ہے جو فی الحقیقت دریا کو کوزے میں بند کرتی ہے اسکا ترجمہ یہ ہے کہ آگ اور پانی نہایت اچھے خدمتگار ہیں لیکن نہایت خراب آقا جسکا مطلب ظاہر ہے کہ جب تک یہ دونوں ہمارے اختیار میں ہیں جسطرح ہم چاہیں ان سے کام لیں اسوقت تک ہمارے کارآمد ہیں لیکن جہاں ہمارے اختیار سے باہر ہوئے اور اپنی مرضی کے موافق چلنا شروع کیا وہیں ہمارے ضرر کا باعث ہوئے۔

اس بحث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ جہاں اور جتنی مقدار کی ہم کو خواہش ہو وہاں اور اتنی مقدار ہر ایک چیز کی ہمارے کام آتی ہے اور اسی لئے ہم اسکو کارآمد کہتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ ہم فراہمی دولت کے محدود ہونے کا عقدہ کھلتا ہے کیونکہ دنیا میں ایسی بہت ہی کم چیزیں ہیں جنکی ہم کو ایک حد سے زیادہ ضرورت ہو۔ یہاں جتا دینا ضروری ہے کہ ہماری حاجتوں کا بے شمار ہونا اور دولت کی پیداوار کا محدود ہونا دو مختلف باتیں ہیں اور ہم کو اس فرق کا خیال رکھنا چاہیئے کیونکہ اگر یہ فرق اچھی طرح دلپر منقش نہ ہوگا تو دونوں اصولوں کے معنی خبط ہو جائیں گے

محمد رؤف علی بیرسٹر ایٹ لا

مرجھایا ہوا پھول

موت کسی کی بھی ہو اس ظالم کے خیال سے کلیجہ پر چوٹ لگتی ہے مگر اپنے ان ننھے بچوں کی موت جو کھر بھر کر خون کے آنسو رلوا دے قیامت کا نمونہ ہے۔ ذیل کی نظم یا مرثیہ ہمارے محترم مولوی محمد عبد العزیز صاحب کورٹ انسپکٹر ڈپٹی … کا ہے نو سال ختم کرنے سے پہلے باپ اور بہن بھائیوں کو روتا چھوڑ … ہو گیا۔ مرنے والا بچہ معصوم تھی وہ دعائے مغفرت کی محتاج نہیں البتہ یہ دعا ہے کہ خدا وند کریم میاں عزیز الحق سلمہ اور ان کی بہنوں کو صبر دے۔

کیا سناؤں میں تمہیں لخت جگر کا حال مرگ
اللہ اللہ کرکے پہونچی ساتویں برس جب لگی

بیٹے یوں ہی فقط تھی چھ بہار زندگی کی بہار
اتنے میں باد اجل نے کر دی گل شمع عمر کل

ساتواں آیا تو اسکو بلانے کے لئے
تاکہ کھیلے آ کے باہر اور بیٹھے سیر کی

اچھے اچھے پھول کہتا وہ سکو دیں فرحت تمام
اور انگلی کے اشارے سے بلاوے ہر کلی

… چھوڑ کر باغ و بہار و سیر کو
پڑ رہی اکر کے کمرے میں وہ مرنے کے لئے

اس کلیجو پہ جب ملا آ بیٹھا تو یوں اک رات کو
سب اعزہ کو بلایا اس نے کہنے کے لئے

بیٹے کیا ہو یہ فقرہائے بزرگانہ دردخیز
جسکو سنکر رو دئے اس جا پہ جو تھے …

… مرنے والی نے بصد حسرت کہا
اب میں مرتی ہوں دعائے مغفرت میری کرو

زنگی بنے میرے سینے میں کوئی آرکے تھے　　　جس سے دم گھٹتا ہے میرا سخت ہوں تکلیف میں
سب سینہ او پیشانی پہ ہے دھنی سا بادہ　　　اور پسینے پر پسینے کچھ چلے آتے ہیں

ختم ہوتے جو مجھ میرے پہر پائی جاتے ہیں　　　یا خزان مرگ سے یہ پھول مرجھاتا ہے
سانس آتی ہے کمزوری وہ وقت کیسا تھا　　　میری ماں بتلا - کہ ہم دنیا سے کیا ہیں جا رہے؟

لے اماں جان اچپ ہو کیوں نہیں تم ہیں جواب　　　آپ کے رونے سے ہم ہیں اور بھی گھبرا رہے
اچھانے لیجیے دم آخر مجھے اب گود میں　　　تا کہ یہ دل کچھ ذرا تسکین تو پاتا ہے

میری اچھی اماں جان آپ بخیر رہیے　　　کیا میں رخصت ہو رہی ہوں تم نے سمجھا آج ہے
بھولے گا تو نہیں مجھکو کہیں مرنیکے بعد　　　مجھ پہ رہتی رہے گا اکثر درود و فاتحہ

اب مصلے پر جو پہلو آپ خالی پائیں گی　　　تو کریں گی ہائے کس کے واسطے پھر التجا
ناگہاں وہ دھیان آئے گا میرا آخر ضرور　　　اس طرح پر یاد یاد آجاؤں گی میں دو تین بار

کیونکہ وہ دن جاتے ہیں اب پھر ہوں نہ باہم یک　　　اور کہتے ہو کہ پہلو میں کروں جاکر جھوڑ
پھر پڑھا ہو جس طرح سکھایا ہے دعائے صبح و شام　　　اس طرح ہو تر زبان درود و غفار و درود

باپ پیارے باپ - اب جاتی ہوں میں تو اپنے گھر　　　وہ جہاں کا ذکر فرمایا کیا کرتے تھے آپ
وہ مبارک سرزمیں جسمیں نہیں آتی خزاں　　　موت کا جس جا نہیں انسان کو ہوتا عذاب

آپ فرماتے تھے واں بیماریاں کافور ہیں — اور پا جاؤنگی میں جا کر کے واں جلدی شفا
پھر ملینگے ہم وہیں سب خوب اطمینان سے — اور بخشیگا ہمیں ہر طرح کی نعمت خدا

بھائی۔ پیارے بھائی۔ دیکھو وہ جو چھوٹا سا باغ — وہ جسے اکثر کہا کرتی تھی میں رشک جناں
وہ جہاں گیہوں وغیرہ کی ہوا کرتی تھی سیر — پھول۔ بوٹے۔ اور غنچے تھے کہا کرتے جہاں

واں پہ بونا کچھ گل لالہ تو کچھ لاکر گلاب — جتنے وہ سب پھول جو کھلتے ہیں جاڑے میں تمام
میرا داغ یادگاری تا رہے ہر دم ہرا — اونکو میرے پھول بوٹے تم کہا کرنا مدام

میری پیاری آپا رخصت تم سے بھی ہوتی ہوں آج — چھوڑ کر تنہا تمہیں افسوس ہم مرجاتی ہوں میں
یاد یوں آنے کو تم کو تو میں آؤنگی ضرور — لو مگر اپنی نشانی بھی دے جاتی ہوں میں

وہ جو ہے ننھا سا بوٹا اک گلاب سرخ کا — جسکا میں فصل بہاری میں کہا کرتی تھی پیا
وہ ابھی دو ہی کا ہے جسمیں نہیں نکلی پتیاں — وہ دیا میں نے تمہیں آپا نہ کرنا تم ملال

ابھی جب آئینگے غنچے اور کھلینگے سرخ پھول — جب تلک میں چل بسی ہونگی میرا وقت آگیا
لیکن اے پیاری بہن کیا جاؤ گی جلد تم بھول — گل چڑھانا میری تربت پہ گلاب سرخ کا؟

اب پیاری والدہ گا دیجئے وہی سا گیت — تھپکیاں دے دے کے گایا وہ جو تھا کل رات کو
تھک گئی ہوں میں بہت سوؤنگی گہری نیند — جاگ کر اوٹھنا نہ ہو جسمیں خیال و خواب کو

کون ہے۔ یہ کون مرا نام لیکر رو رہا؟ میرے ابا جان، اماں جان اور بھائی بہن
آپ سب جلدی سے آکر مجھ سے ملئے گا وہاں اسلئے مت روئیے مت کیجئے رنج و محن

صبح نے باندھے رزیں اتنے میں پھیلا دئے اور نسیم صبح فرفر آئی کمرے میں تمام
مثل عنبر و سنے نگہت بہاری سے غرض پر نہ کر سکتی معطر تھی رقیہ کا مشام

دیکھا پلاسے رو دو۔ دیکھا جسم کا ڈھانچہ پڑا سو رہی چپ چاپ ہے دم بھی نہیں لیتی ذرا
آنے جانے والے روتے ہیں نہیں اوسکو خبر کیا خبر ہو۔ انا للہ۔ اسمین آپ کیا رہا

دیکھا آنسو آنسو ناظرین با وقت... کچھ اثر تو قلب پر آخر پڑا ہے بالضرر
گر حسن کی مان لیجئے آپ صلاح نیک۔ تو فاتحہ پڑھ دیجئے اس مرنے والی پر حضور

(عزیزیہ)

عصمت جسطرح یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ قوم کی ترقی کا انحصار تعلیم نسوان پر ہے۔ اسیطرح اس مین بہی کلام نہین۔ کہ رسالہ عصمت لڑکیون کے واسطے ایک بیش بہا نعمت ہے جسمین خانہ داری تعلیم و تربیت - مذہب وغیرہ پر منتخب اہل قلم کے مضامین نکل رہے ہین۔

عصمت کواری لڑکیون کو فرمانبردار بیویان اور بیوبون کو سلیقہ شعار گہر والیان اور سگہڑ مائین بنانے کے واسطے ایک لاجواب چیز ہے جو بیش قیمت کاغذ اعلی درجہ کی لکھائی چھپائی - رنگین سنہری بیل اور تصویر سے مزین ہوکر ہر مہینہ شایع ہوتا ہے - قیمت سالانہ (سے ہ)

منیجر عصمت و تمدن دہلی

حیدرآباد

حیدرآباد جو قریب "دو صدیوں سے گورنمنٹ آصفیہ کا دارالحکومت ہے۔ ہندوستان کے ان معدودے چند شہروں میں شمار ہوتا ہے جنہیں مسلمانوں نے اپنے عروج و اقبال کے زمانہ میں آباد کیا تھا۔ یہ شہر اُس پر شان و شوکت زمانہ میں تعمیر ہوا ہے کہ شہنشاہ اکبر تخت ہندوستان پر فرمانروا تھا اور اسکے ہم عصر سلاطین بڑے کروفر کے ساتھ دکن کے سرسبز و شاداب خطہ میں حکمرانی کر رہے تھے۔

گیارہویں صدی کے اوائل ایام میں شہنشاہ اکبر نے دکن پر حملے کرنے شروع کئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندیس کی حکومت تاراج ہوگئی نظام شاہی تخت بربادی کے قریب ہوگیا۔ اور ان سلطنتوں کے ہزارہا آدمی آوارہ و پریشان ہوکر گولکنڈہ میں چلے آئے جس کے سبب سے یہاں کی آبادی خوب بڑھ گئی اور ایسی گنجان ہوگئی کہ وبائی امراض پھیلنے لگے۔ اس لئے محمد قلی قطب شاہ والئے گولکنڈہ نے ایک نئے شہر کو بسا کر اپنا دارالحکومت بنایا اور اپنی معشوقہ بھاگ متی کے نام پر اُسکا نام بھاگ نگر رکھا مگر جب وہ مرگئی اور مخلوق نے اسے شرم دلائی تو چودہ سال کے بعد نام بدل کر حیدرآباد رکھدیا۔ مگر مغلوں کی عملداری تک یہ نام عوام میں مشہور نہ ہو سکا۔

بادشاہ نے سنہ۱۰۰۰ھ میں شہر کا سنگ بنیاد رکھا۔ وسط شہر میں چار مینار تعمیر کرایا۔ اسکے مقابلے میں چار بڑے بڑے بازار بنوائے اور ہر ایک بازار میں راستے اسطرح پر نکالے جو ایک دوسرے کو زاویہ قائمہ پر قطع کرتے تھے اور

ملن کے تقاطع سے چوراہے بنتے ہیں۔ راستوں کے کنارے نہریں جاری کیں پھران کے کنارے کنارے سایہ دار درخت لگوائے۔ شمال کی جانب شاہی محلات تعمیر کرائے۔ ان عمارات کے متعدد حصے تھے منجملہ ان کے ایک داد محل تھا جہاں بیٹھ کر بادشاہ مظلوموں کی داد دیا کرتا تھا۔ اور عام اجازت تھی کہ بادشاہ سے جو چاہے آکر معروض کرے۔ اس محل کی کئی منازل تھیں۔ اور ہر منزل سے بازار کی طرف دریچے رکھے گئے تھے۔ شہر پر جب مغلوں کا قبضہ ہوگیا تو شاہی حکام نے اسکو بارود خانہ بنالیا سنہ ۱۰۸۵ھ میں رود موسے کو طغیانی ہوئی اور اس زور سے سیلاب آیا کہ بارود بھیگ گئی دوسرے روز اسے دھوپ میں خشک کر رہے تھے کہ دفعتا جل اٹھی اور سارا مکان اڑ گیا۔ اسکے پاس خداداد محل تھا جس کی سات عالیشان منزلیں تھیں اور ہر منزل کا نام آئمہ اثنا عشر علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا تھا ان عمارات کے عقب میں باغ تھا جس میں ایک خوب صورت بارادری بنی ہوئی تھی۔ باغ کے متصل جنان محل کی عظیم الشان عمارت تھی۔ اس کے مقابل میں جلوہ خانہ تھا جسکے اطراف چھ بڑے بڑے محل بنے ہوئے تھے۔ لعل محل۔ چندن محل۔ گگن محل۔ صدر صفہ۔ سجن محل نعمت خانہ۔ سجن محل میں اکابر وعلما جمع ہوتے تھے۔ باقی چار محلوں میں سلح داروں اور فوجی سرداروں کی نشست رہتی تھی۔ نعمت خانہ میں سادات وعلما کو مطبخ شاہی سے کھانا کھلایا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ بادشاہ نے رفاہ عام کی بارہ ہزار عمارتیں بنوائی تھیں جن میں حمام۔ خانقاہ مدرسے۔ شفاخانے۔ لنگر خانے۔ مہمان سرائے۔ مساجد وغیرہ شامل تھے۔ صدر شفاخانہ جنوبی حصہ میں بنایا گیا تھا جس میں بڑے

بڑے طبیب ملازم تھے - اور انہیں خزانہ شاہی سے تنخواہ ملتی اور مریضوں کو دوا مفت دی جاتی تھی۔

حیدرآباد کو محمد قلی کے ہی عہد میں خوب رونق ہوگئی تھی۔ اور آبادی چاروں طرف دس دس کوس تک پھیل گئی تھی - اوس زمانہ میں شہر اور اسکے مضافات سے چار لاکھ ہون وصول ہوتے اور الف هم واکرام علماء وسادات میں صرف کر دیے جاتے تھے۔

آبادی حیدرآباد کے سترہ سال بعد مورخ محمد قاسم فرشتہ نے اپنی بے نظیر تاریخ تصنیف کی ہے۔ اوس میں ایک موقع پر اس شہر کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں کرتا ہے۔

"دران ایام بنا بر ناموافقی آب وہوائے گلکنڈہ خلایق متضرر وپراندہ بودند تعب بسیار میکشیدند در بلدہ مذکور شہرے کہ در تمامی ہندوستان شرقاً وغرباً وجنوباً وشمالاً مثل آن در لطافت وصفا ہرگز یافت نمی شود بنا نمودہ دار الملک خود ساختہ موسوم بہ بھاگ نگر گردانیدہ و در آخر از ان نام پشیمان گشتہ موسوم بہ حیدرآباد ساختہ لیکن درمیان خلایق مشہور بہ بھاگ نگر ست نہ حیدرآباد - و دورا و قریب پنج کروہ است بازارہا بخلاف بلاد ہندوستان بطرح واقع شدہ در غایت وسعت وصفا ،بخلاف آب وہوا تمام درست دارد وما سابقا فروچا درم در موافقت وسازگاری بہتر واکثر بازارہائے او از دو طرف جدول ہائے آب رواں ست و در کنار جدولہا درختان سایہ ور نشاندہ ودکاکین را در کمال مطبوعی از سنگ وگچ ساختہ اند۔ منازل بادشاہی بنوعے ساختہ وپرداختہ شدہ است کہ مسافران اقالیم سبعہ قرین آن در ہیچ ملک نشان نمی دہند۔"

محمد قلی کے بعد یکے بعد دیگرے تین قطب شاہ برسرِ حکومت ہوئے۔
ان بادشاہوں نے بھی شہر کی رونق بڑھانے میں کوتاہی نہیں کی۔ سلطان
محمد قطب شاہ نے کروڑہا روپے صرف کرکے **مکہ مسجد** تعمیر کرائی۔ اور دولتخانۂ
شاہی کے پاس باغ لگوایا۔ اور اس میں طلائی اور لاجوردی نقش و نگار سے
سجا کر ایسی بارادری بنوائی کہ جسکو دیکھ کر نظریں خیرہ ہوتی تھیں۔ شہر سے
تین کوس کے فاصلہ پر جانب مشرق قلعہ سلطان نگر کی بنیاد ڈالی
مگر اسکے تمام ہونے سے قبل خود اسکی عمر تمام ہوگئی۔ **سلطان عبد اللہ**
نے ایک **رفیع الشان** ہفت منزلہ قصر تیار کرایا اور اس میں اعلیٰ پایہ کے وسیع
اور نشستیں تیار کرائے۔ وہاں نہیں لطف [illegible] ہنگامہ گرم رہتے۔ [illegible] ابو
الحسن تاناشاہ ختم سلاطین قطبیہ بڑے رنگین مزاج [illegible] بادشاہ تھے۔ اسکے
عیش و عشرت اور نفاست مزاج کے افسانے اب تک زبان زد خلائق چلے
آتے ہیں۔ اس نے دو عالی شان محل تیار کرائے تھے جن میں سے ایک کا
نام **گوشہ محل** اور دوسرے کا **چار محل** تھا۔ گوشہ محل [illegible] قدر بلند
تھا کہ ایک قوی ہیکل جوان اگر ایڑیوں سے [illegible] پھر [illegible] تو [illegible] دور
و کنار [illegible] تک بھی نہیں جاسکتا تھا۔ محل [illegible] تھے۔
ساخت بھول بھلیاں کی تھی۔ چار محل [illegible] دوسرے [illegible]
ان میں سے پہلی عمارت عالمگیر اورنگ زیب کی فوج کشی میں مسمار ہو
دوسری کا بہت بڑا حصہ جل گیا۔ اور جو بچ رہا تھا مدت ہوئی [illegible]
کی طغیانی میں اس طرح دریا برد ہوگیا کہ اسوقت نشان تک نہیں
سلطان عبد اللہ کے اخیر ایام سلطنت میں ایک فرانسیسی
موسیو تھیونو کا گزر دکن میں ہوا تھا۔ اس نے اپنے سفرنامہ [illegible]

شہر کے حالات بہ نسبت دیگر سیاحوں کے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں اور ان میں شہر کی آبادی و رونق کو بیان کرنے کے علاوہ انتظامی۔ تجارتی۔ تمدنی معاملات پر عمیق نظر ڈالی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"سلطنت گولکنڈہ کا پایۂ تخت بھاگ نگر ہے جسے فارسی میں حیدرآباد کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ شہر ایک بہت بڑے میدان میں واقع ہے جسکے چاروں طرف کئی کوس تک چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور ان پہاڑیوں سے یہاں کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہو گئی ہے۔

"شہر کی لمبائی اسکی چوڑائی سے زیادہ ہے۔ رستہ پرانے پل سے چارمینار تک سیدھا چلا گیا ہے۔ پھر وہاں سے دست چپ کی طرف مڑ کر بڑے چوک سے ہوتا ہوا اس دروازہ پر نکلتا ہے جہاں سے موسلی پٹم کو رستہ جاتا ہے۔ پل سے چارمینار تک ۲۵۰ قدم اور چارمینار سے چوک میں ہو کر دروازہ تک ۳۰۰۰ قدم ہیں۔ اس سے آگے بھی بیرون بلدہ کی آبادی ۱۰۰۰ قدم تک چلی گئی ہے۔

شہر میں بہت سے بازار ہیں۔ مگر ان میں سب سے اچھا وہ بازار ہے جو شاہی محلسرا کے روبرو ہے۔ اسکے بعد وہ بازار ہے جہاں بڑے بڑے امراء کے عمدہ عمدہ مکانات بنے ہوئے ہیں۔ شاہی محلسرا ۳۸۰ قدم لمبی ہے۔ اور چارمینار تک چلی گئی ہے۔ یہاں اسکے کناروں پر کوشک بنا دئے گئے ہیں۔ اسکی دیوار کھورے پتھر کی ہے اور اس میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر آدھے آدھے برج بنے ہوئے ہیں۔ اور ان میں رستہ کی طرف دریچے لگے ہیں۔

شہر میں کاروان سرائے عموماً خوب صورت ہیں۔ نعمت اللہ کی سرائے جو شاہی باغات کے روبرو شارع عام پر بنی ہوئی ہے سب سے زیادہ اچھی سمجھی

جاتی ہے۔ اس میں میں اور ہمارے ہمراہی دو روپیہ ماہانہ کرایہ پر ایک کمرہ لے کر اوترے تھے۔ شہر کے اطراف بہت سے عمدہ عمدہ باغات ہیں۔ ان کی مصفا روشیں اور میوہ دار درخت عجیب جوبن دکھاتے ہیں۔ مگر آب پاشی کا کافی انتظام نہیں ہے۔ صرف چند حوض یا ایک دو کنوؤں سے ان کی آبیاری کی جاتی ہے۔

مئی سے لیکر اکتوبر تک یہاں پانی برستا رہا۔ اس اثنا میں کبھی کبھی کھل بھی گیا۔ مگر بحالت مجموعی بارش خوب ہوئی۔ ان ایام میں دن کو کسیقدر گرمی اور مغرب کے بعد سردی رہتی تھی۔ مگر موسم ایسا ہی معتدل تھا جیسے کہ مئی میں فرانس میں رہتا ہے۔

گولکنڈہ میں ہر قسم کے اجناس افراط سے پیدا ہوتے ہیں۔ خاص کر میوہ جات کی تو نہایت کثرت ہے۔ انگور عام طور پر پیدا ہوتا ہے۔ اور بافراط ملتا ہے۔ چاول۔ گیہوں۔ اور دیگر تقویات کی عموماً دو فصلیں ہوا کرتی ہیں۔

حیدرآباد میں بہت سے افسر اور ملکی عہدہ دار رہتے ہیں۔ مگر ان میں سب سے بڑا کوتوال سمجھا جاتا ہے۔ اسے دیوانی اور فوجداری کے تمام عدالتی اختیارات حاصل ہیں۔ سوا اسکے محصول خانہ اور دارالضرب بھی اسکے ماتحت ہے۔

بادشاہی فوج میں چالیس ہزار سوار ہیں جنہیں فی کس دس چکن ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ اس تنخواہ میں انہیں دو گھوڑے اور چار پانچ خادم رکھنے پڑتے ہیں۔ پیدل سپاہی کو پانچ چکن تنخواہ دی جاتی ہے اور انہیں ضرور ہے کہ دو خادم اور ایک بندوق رکھیں۔ ان کے علاوہ برچھے برداروں کی کثیر جماعت ہے اور انہیں فی آدمی تین روپیہ ماہوار مقرر ہے۔

گولکنڈہ کے بڑے بڑے امرا ایرانی یا ایرانی نسل سے ہیں۔ انہیں نہ

صرف بڑی بڑی تنخواہیں ملتی ہیں۔ بلکہ بادشاہ کی طرف سے اراضی اور دیہات بھی جاگیر میں عنایت ہوئے ہیں۔ یہ امیر جب کبھی باہر نکلتے ہیں تو ان کے آگے ایک دو ہاتھی چلتے ہیں اور ان پر تین آدمی جھنڈیاں لئے سوار رہتے ہیں۔ پھر پچاس ساٹھ سوار اچھے اچھے لباس پہنے ہوئے تلواریں نیزے ڈھالیں لٹکائے ایک قطار میں چلتے ہیں۔ ان کے پیچھے چند سوار قرنے پھونکتے نفیریاں بجاتے جاتے ہیں۔ ان سب کے بعد امیر گھوڑے پر سوار رہتا ہے اور اسے چالیس پچاس پیادے گھیرے رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی مورچھل ہلاتا اور ایک چھتر لگائے رہتا ہے۔ اس جلوس کے پیچھے ایک دو اونٹ رہتے ہیں جن پر کچھ آدمی نقارہ بجاتے ہیں۔

بادشاہ کو اراضی سلطنت سے بہت بڑی آمدنی ہے۔ سوا اس کے جو مال تجارت اسکے حدود سلطنت سے گزرتا ہے یا موسلی پٹم اور مدراس میں آتا ہے اسپر بھی محصول لیا جاتا ہے اس ذریعہ سے بھی بہت کچھ یافت ہوگئی ہے۔

گول کنڈا کو الماس کی سرزمین کہنا چاہیے۔ کیونکہ اسکے مقبوضات میں اس قیمتی پتھر کے معادن بکثرت موجود ہیں۔ اور جو لوگ ان کا اجارہ لیتے ہیں انہیں بادشاہ کو فی گھنٹہ ایک پگوڈا دینا پڑتا ہے۔ موسلی پٹم کے رستہ میں جو بڑی بڑی کانیں ہیں ان میں چھ ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔ اور روزانہ تین پونڈ الماس نکلتا ہے۔

گول کنڈہ کے باشندے عموماً زراعت کرتے ہیں۔ مگر ان میں تجارت پیشہ آدمیوں کی بھی کثیر تعداد موجود ہے۔ اہل ہنر اور دستکار بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں بادشاہ نے شہر میں بہت سے کاریگر بسائے ہیں اور انہیں سرکاری مکان بنوائے ہیں۔

(حکیم سید شمس اللہ قادری)

ساقی نامہ

غم و اندوہ کی پھر دل پہ گھٹا چھائی ہے آج — پھر مرے سر پہ مصیبت کی یہ شب آئی ہے آج
پھر مرے جینے سے بیزار ہوا جاتا ہے دل — تلخکامی مری پیغام قضا لائی ہے آج
وسعت دامن شب ہے کہ بیابان جنوں — وحشت اندوز عجب کچھ دل سودائی ہے آج
خواب کو دیدۂ بیدار کی دربانی ہے — آنکھ نے جنبش مژگاں کی قسم کھائی ہے آج
میری غربت پہ ہے انجم کی پریشاں نگہی — چشم حیرت سے فلک میرا تماشائی ہے آج
نالۂ جانکاہ ساماں ہے صفت بانگ درا — رحلت قافلۂ صبر و شکیبائی ہے آج
ایک وہ ہیں جو شب ماہ میں ہیں جام بکف — ایک مجھسا جو اسیر غم تنہائی ہے آج
ایک وہ ہیں لب ساقی نہیں دیتے ہیں صدا — مے ہوئے کہ گلستاں میں بہار آئی ہے آج

میں تہی دست نہ رہتا جو مقدر ہوتا
کوئی ساقی کوئی مینا کوئی ساغر ہوتا

بخت کا کچھ نہ گلہ ہے نہ شکایت تیری — یہ وہ ہے دل کہ ہے جس دل میں محبت تیری
تو اگر چاہے تو سب کچھ ابھی بخشے مجھکو — چاہیئے بندۂ عاصی پہ عنایت تیری
تو خداوند دو عالم ہے جو چاہے سو کرے — ہم گنہگاروں کو درکار ہے رحمت تیری
میرا حال دل بیتاب تو تجھ پر ہے عیاں — الغرض مجھسے ہے در پردہ مشیت تیری
اک اشارے ہی سے ہو جائے علاج دل زار — گر مسیحائی کرے چشم مروت تیری
میں اگر ہوں بھی تو اک بندۂ ناچیز تیرا — دل ترا مال ہے اور جان ہے دولت تیری
تجھکو کیونکر یہ گوارا ہے کہ مضطر ہو کر — پھینک دوں چیر کے پہلو کو امانت تیری
آبرو دین نبی کی جو ہے منظور تجھے — کس لئے جوش میں آتی نہیں غیرت تیری

گردش ساغر صہبائے حجازی دکھلا
بھیج اب ساقی کو اور بندہ نوازی دکھلا

دل میرا مائل نظارۂ گلزار نہیں
نغمۂ دلکش بلبل بھی مجھے درکار نہیں

شمع محفل مرا ساقی ہے میں پروانہ ہوں
شمع و پروانہ سے کچھ مجھکو سروکار نہیں

دل وحشت زدہ اسوقت ہے دیوانۂ جام
جسکا سودا ہے میرے سر میں وہ دلدار نہیں

تو وہ خاک مذلت میرا بالیں کب تک
بندہ ایسا تو زمانے میں کوئی خوار نہیں

شکوۂ کم نگہی مجھکو نہیں ہے زاہد
مست ایسا بھی نہیں گرچہ میں ہشیار نہیں

ماجرائے دل غمدیدہ بیاں کرتا ہوں
یہ نہیں کہتا کہ تو بھی مجھے خبردار نہیں

ہجر ساقی میں لہو روتی ہیں آنکھیں میری
دل پہ قابو نہیں اب طاقت گفتار نہیں

جلد لبریز مئے ناب سے ساغر کر دے
اے خدا بندۂ مفلس کو تونگر کر دے

میرے گھر میں ہو اجالا اگر آئے ساقی
جلوہ اپنے رخ روشن کا دکھلائے ساقی

شام ہو صبح وطن کی سحر عید مجھے
میری قسمت کا جو رخ آکے پھرائے ساقی

پھر تو میں خاک نشیں عرش نشیں ہو جاؤں
لطف سے پاس بٹھا کر جو پلائے ساقی

پی کے مے پھول سی ہو جائے طبیعت میری
خار جن جن کے میرے دل سے ہٹائے ساقی

صبح تک دور چلے وہ کہ میں سرمست رہوں
پھر اگر ہوش میں لائے بھی تو لائے ساقی

پردۂ ظلمت شب سے ہوں عیاں خورشید
جس گھڑی جام بکف بزم میں آئے ساقی

ہاں یہی دل میں ہے حسرت کہ پلا کر مجھکو
روح پرور کوئی نغمہ بھی سنائے ساقی

ریزش مے سے ہو ساغر میں عیاں بارش نور
گر ترا دست کرم فیض دکھائے ساقی

اترے شیشے میں پری دنگ سلیماں ہو جائے
چشم کافر بھی جو دیکھے تو مسلماں ہو جائے

ساقیا جلد پھر آ اور مجھے شاداں کر دے　　　مشکلیں جو ہیں شب غم کی وہ آساں کر دے
وہ تبسم مجھے چہرہ پہ ترے ہنس کے دکھلا دے　　　جو سحاب غم و اندوہ پریشاں کر دے
خود کبھی آئے گی اجڑے ہوئے گلشن میں بہار　　　میرے ویرانے کو پھر رشک گلستاں کر دے
تنگ ہے پہلو میں بسکہ دل کا فریب!　　　مے پلا کر صفت گل اسے خنداں کر دے
دم بدم جلوۂ جام و مے و مینا دکھلا　　　گھر پرستان میرا اور مجھکو سلیماں کر دے
آتشیں رنگ وہ صہبا ہو شرارہ جسکا　　　غیر کے دل پہ جو پڑ جائے تو بریاں کر دے
زندگی بخش ہو ایسی مے اعجاز نما　　　جو مسیحا کو بھی انگشت بدنداں کر دے
لب سے میرے لب ساغر کو ملا دے جلدی　　　میں دعاگو ہوں ترا مجھ پہ یہ احسان کر دے

خم بھرے دور میں ساقی تیرا پیمانہ رہے
دل فرزانہ ہمیشہ تیرا دیوانہ رہے

بھر کے ساغر وہ مے تند پلانا مجھکو　　　بےحس ہو جس سے نہ پھر ہوش میں آنا مجھکو
ضبط کی دل کو نہیں تاب تیرے سر کی قسم　　　تنگ کرتا ہے بہت اب تو زمانہ مجھکو
اک اشارہ ہو میرا کون و مکاں کو کافی　　　فلک پیر کو ہے چرخ میں لانا مجھکو
ہو کے سرمست زمانے سے کروں میں یہ خطاب　　　نہ ستانا، نہ ستانا، نہ ستانا مجھکو
جوش سے گرم میرا خون حمیت ہو جائے　　　اور مے پینے کا مل جائے بہانا مجھکو
پھر تو دنیا میں حریفوں پہ یہ ظاہر ہو جائے　　　کہ نہیں ایسا کچھ آسان مٹانا مجھکو
میں اگر عالم مستی میں اٹھوں تیغ بکف　　　سارے عالم کو ہو دشوار ہٹانا مجھکو
کیا کہوں دیکھ کے اسلام کی پستی کا یہ حال　　　یاد کرنا ہوا آتا ہے زمانا مجھکو

پھر وہی زیر قدم عرش بریں ہو جائے
مملکت کفر کی پھر زیر نگیں ہو جائے

ہر طرف چلنے لگے پھر مے توحید کا جام　　　صفت مہر بلندی پہ ہو اسلام کا نام

نکل آ جلد مدینے سے خدارا ساقی — ہاتھ میں جام ہو شانے پہ نشانِ اسلام
دل ہو مسرور مرا سنکے حجازی نغمہ — رنج و غم میں ہوئی جاتی ہے میری عمر تمام
یا رسولِ عربی وقت مدد ہے اب تو — شاد امت ہو تیری اور ہوں دشمن ناکام
پھر دلِ امتِ مرحوم کو زندہ کر دے — پھر سے ہشیار ہوں دنیا میں ترے مے آشام
پھر ترے رندوں کی قسمت کا ستارہ چمکے — تاکہ آغاز سے ہو جائے نکوتر انجام

اگر ارشد پہ بھی کچھ چشم عنایات رہے
تیرے در پہ ہی تیرا رند خرابات رہے

(آغا غلام حسین۔ ارشد)

یاسمین۔ پروفیسر میرزا محمد سعید صاحب ایم۔ اے مصنف خواب ہستی کا دوسرا ناول اور تمدن ایجنسی کی پہلی کتاب جس کے واسطے عرصہ سے لوگ بے چین تھے چھپ کر تیار ہو گئی اس کتاب میں قابل مصنف نے بنگالہ کی ایک نازنین یاسمین کا واقعہ اسقدر دلچسپ اور پر لطف لکھا ہے۔ کہ بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے قابل مصنف کا اسم گرامی بتا سکتا ہے۔ کہ کتاب کس پایہ کی ہوگی۔
قیمت ایک روپیہ (عہ)

راحت زمانی۔ مولوی سید احمد صاحب کی بیش بہا تصنیف جو علاوہ دلچسپ ہونیکے ایک نہایت سودمند کتاب ہے۔ مصنف نے ازسرِ نو ترمیم کے بعد نہایت محنت سے تیار کی گئی ہے بیگماتی زبان قلعہ معلی کے محاورے۔ قصہ کی دلچسپی مختصر یہ کہ کتاب بغیر ختم کئے چھوڑنیکو جی نہیں چاہتا۔ قیمت عہ) منیجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کرو

موت

کیا جس طرح تیرا آنا، تیرا روح سے ایک جنگ فاتحانہ کرنا مسلم اور اک امر ناگزیر ہے، کیا اسی طرح، تیرے سکرات تیرے شدائد یقینی جگر خراش ہیں؟ میں نے تجھ کو اپنے تخیل میں، اپنی لگا، میں مختلف صورتوں میں دیکھنا چاہا، تیری حالت، تیری ہیئت - تیری ماہیت کو قابل الفہم بنانے کی کوشش کی، مگر آہ، میں تیری ہستی کو نہ پڑھ سکا، کوئی صورت اطمینان دہ ثابت نہ ہوئی، کوئی تکلیف تیرے وجود کا ترجمان صحیح نہ بن سکی، میں خیال کرتا ہوں کہ صحیح نہ بن سکی، اس لئے کہ جتنے تیرے شدائد کے ضرب الامثال، تیری بے دردی کی کہانیاں، تیرے بے رحمی کے قصص مشہور ہیں، ویسی ہی یا قریب قریب اسکے کوئی صورت نہیں دیکھی، جس کی تکلیفیں جسکی سختیاں ایسی خونی کتاب کی شکل میں بیان کی جاتی ہوں، مگر باوجود ان تمام ناکامیوں کے ایک صورت ضرور ایسی پیدا ہوئی ہے، جسکو میں ڈرتے ڈرتے تجھ سے تشبیہ دینا چاہتا ہوں، ڈرتے ڈرتے اس لئے کہ مجھے یقین ہے تو اسقدر ظالم نہ ہوگی۔ وہ کیا ہے؟ فراق! سچ بتا کیا تیرا مفہوم صحیح، تیرا مصداق محکم یہی ہے؟ دیکھ اپنی خاموش تصدیق، اپنے ساکت اقرار سے مجھکو تباہ نہ کر، مجھکو اس ہلاک فریب تیقن سے دھوکے میں نہ ڈال، میرے ضمیر کے ہمزبان نہ بن۔ اخاہ، اگر تو واقعی ایسی ہی ہے، تو سچ کہتا ہوں تو بڑی سفاک ہے، بڑی بے رحم ہے، سخت سنگدل ہے۔ اسوقت کا ذکر میں نہیں کرتا، جب میں رنج دوری سے ناآشنا،

غم تنہائی سے ناواقف تھا کیونکہ اسوقت تو مجھے کبھی یاد تک نہ آئی تھی، مگر میں اس وقت کا حال کہتا ہوں، جب مجھے اس غم میں ایک دفعہ نہیں، بارہا خیال آیا کہ تجھکو یاد کروں، تجھ کو بلاؤں، تجھکو بعید الحصول سمجھ کے تیرے ملک زیبا جاکے ایک بے خبر زندگی بسر کروں، اس وقت البتہ تیرے غیر معتمد تصور کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی، مگر نہیں میں جان گیا، کہ تو خود ایک فراق ہے طویل، ایک ناامیدی ہے غیر محدود، ایک حسرت ہے دائمی، تجھ سے ڈرتا ہوں جی چراتا ہوں، تو میری دشمن، میری تخیل زا خاموشی کی دشمن، میرے نتیجۂ ہستی، مایۂ زندگی کی دشمن ہے، تو چاہتی ہے کہ میری تکلیف ذوق کم ہو جائے میرا رنج دوری جاتا رہے، میرا غم تنہائی مٹ جائے، مطلب یہ ہے کہ میں اب اس سے بھی جی نہ بہلاؤں، جان بوجھکر ایسی زندگی بسر کروں، جس میں میں یہ جانتا ہوں کہ کچھ نہ جان سکونگا: کبھی نہ ہوگا، ہرگز تیرے کہنے میں نہ آؤنگا کبھی تیری راحت نما اذیت کو اختیار نہ کروں گا، میں غلط سمجھتا تھا کہ تو اس قدر سفاک نہیں ہے، نہیں، تو سخت بیدرد ہے، یہ اگر میرے وجود کو مظلوم بناتے ہیں تو اوسکو مسموم کرنا چاہتی ہے، قہر غم پر زہر غم کو کبھی ترجیح نہ دونگا، ذرا اور آسان بن کہ تیرا نام لیتے ہوئے جی نہ دہلے، ذرا مرا جدا ان بن کہ تجھ سے رغبت پیدا ہو، یہ یاد رکھ کہ جب تک تو میرے وجود شعری کے ہلاکت کے درپے ہے اس وقت تک کبھی تجھ سے الفت پیدا نہیں ہو سکتی، مجھکو چاہے تو ہلاک کر دے، برباد کر دے، لیکن میری رعنا ہستی، میرے درد مند وجود کو نہ مٹا، مگر آہ، تو تمثیلات سے باہر، تخیلات سے بڑھکر، تصورات سے گذر کر، اور کہیں کی رہنے والی سنگین دل ظالم ہے تیری سرزمین مجھکو خون سے رنگی ہوئی نظر آتی ہے، جس سے امید میں

لاکھوں آرزوئیں اُٹھ اٹھ کے تیرے ملک کے آسمان سے خونیں بارشس کی شکل
میں دکھائی دیتی ہیں۔ اور تو ، افوہ ، اپنے لاتعداد ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے ،
مہیب صورت شیروں کے اوپر سوار سرخ لباس میں جلوہ گر ہے ، تیری بڑی
بڑی آنکھوں سے خون ابل رہا ہے اور تو اُسے پونچھ پونچھ کے چاروں طرف
چھڑک رہی ہے ۔ میں جانتا ہوں کہ تیرے خط وخال بُرے نہ ہونگے ۔ مگر تیرے
کوائف ، تیرے مالا تیفک انداز بہت ہولناک ہیں ، ان سے جدا ہو کر ان سے
الگ ہو کر ، ہم کو صورت دکھا ، دم نکال لیکن ذرا دلاسے سے ، روح لیجا ،
لیکن محبت و پیار سے ، تعمیر ہستی مٹا مگر ذرا آرزوؤں کو دیکھکر ، تجھکو ذرا رحم
نہیں آتا ، جب تو دم نکال کے آنکھوں میں لے آتی ہے اور ہماری آنکھ اس
ننھی سی جان کی طرف ، جو اپنی بے قرار ماں کی گود سے لپٹی ہوئی اپنے
یتیم ہو جانے والے وجود کا خیال ہولا دلا کر اور اسکا کلیجہ نکال رہی ہے ،
ٹکٹکی باندھ کر رہ جاتی ہے ، تیرا سنگدل نہیں سمجھتا ، کہ مرنے والا اپنی
بڑھیا ماں کا اکیلا چراغ ہے ، اے بانجھ ، تجھے کیا خبر کہ ماں کا کیا حال ہوگا
جب اسکے جوان بیٹے کا بھاری لاشہ جسکو خون جگر پلا پلا کر اس نے پالا
تھا گھر سے نکال کر دور جنگل میں ہزاروں من مٹی کے نیچے دفن کر دیا جائیگا ،
کیا تو اسوقت بھی آبدیدہ نہیں ہوتی جب وہ اپنے ہمیشہ کے لئے جدا ہونے والے ،
پھر کبھی نہ ملنے والے جگر گوشے سے بے اختیار لپٹ کر منہ چومنے لگتی ہے ، تجھے
ذرا بھی اس دیوانی ، باؤلی پاگل ماں کا خیال نہیں آتا ؟ تو نے اک ننھی سی بچی
کسی کی آغا میا کو کھیلتے ہوئے کنوئیں کی جگت سے لیکر اندر پھینک دیا ، ماں
کو ایک تو اپنی بولتی ہوئی مورت کے جانے کا رنج دوسرے اس کے پاشس
پاشس سر کا خیال ، کیا دل دہلا دینے والا نہیں ہے ؟ ذرا اسوقت کو دیکھ ،

جب ایک نوجوان دولہا اپنی دلہن کو رخصت کرائے ہوئے گھر لئے جاتا تھا، اور تو نے ان دونوں کو عین بیچ میں دریا میں کشتی کے ساتھ غرق کر دیا، ماں جو شام کو اپنے بیٹے اور بہو کا خوشی خوشی انتظار کر رہی تھی، یہ خبر سنکر دنگ ہو جاتی ہے! ذرا تو ہی انصاف کر کیا یہ شکایت کی باتیں نہیں ہیں، کیا ان کا گلہ خلاف عقل و فطرت ہے؟ پھر اگر تجھ سے نفرت ہے، تیرے نام سے ڈر لگتا ہے تو کیا گناہ ہے؟ تو چاہتی ہے کہ محبت کا نام دنیا سے مٹ جائے، الفت کا نشان نہ رہے، انسان حیوان سے بدتر ہو جائے، بے شک! مگر یہ تو بتا کہ پھر تجھے اس وقت کیا لطف آئے گا، میں جانتا ہوں کہ تو اسوقت حیات دراز کا تمغہ دیگی، کیونکہ تجھے تو کچھ اسی میں مزہ آتا ہے کہ زبردستی سینہ سے سینہ جدا کر دے، ایک کو ہلاک کرے تو سو کے دل زخمی ہو جائیں، جب یہ نہیں تو تیری زندگی بھی بے کار ہے، تیرا وجود بھی معطل و بدمزہ ہے، گویا الفت تیرے دائمی حیات کی قربانی، محبت تیرے ابدی وجود کا صدقہ ہے۔ اچھا ہم اگر ترک انسانیت کی کوشش کریں، تو کیا تو ہٹ جاویگی چلی جائے گی؟ کبھی نہیں، پھر تو اور بھی جلدی کرے گی کہ اس ترک محبت پر ہماری ضمیر کی ملامت کا نظارہ کرے! جا، جا، ہٹ، میں تجھ سے خوف کرنا بھول چلا ہوں، میری محبت مادی نہیں ہے جو جسم کے ساتھ فنا ہو جائے، میری روح پر تیرا قبضہ نہیں ہے، تو نہیں جانتی کہ ہماری الفت کا سرچشمہ وہاں ہے، جہاں سے تجھکو یہ خونیں خلعت عطا ہوا ہے، لے، یہ اپنا جسم لے، یہ گوشت پوست لے، سڑا ڈال، گلا ڈال، میں اب اک روح ہوں آزاد، اک وجود ہوں غیر فانی، اک ہستی ہوں غیر مادی، جہانتک نہ تیری رسائی ہے نہ تیرا دسترس ہے، میں اب اک نور ہوں بسیط، جو حوروں کی نرمی، نرگسی آنکھوں میں ... کو ترسے

غزل

بدل جائے گا شوخی سے حجاب آہستہ آہستہ
تکلف سب اٹھا دے گا شباب آہستہ آہستہ

ہوئی ہے چشم خماری بے حجاب آہستہ آہستہ
پلائی آج ساقی نے شراب آہستہ آہستہ

طبیعت رنگ پر آئے تو ہم پر دیکھو پوچھیں گے
جوانی خود اٹھا دیگی نقاب آہستہ آہستہ

تغافل۔ بیوفائی۔ حیلہ سازی۔ عشوہ بیجا
یہ سب گھاتیں سکھا دیگا شباب آہستہ آہستہ

صراحی دور میں آئی جما یا رنگ ساقی نے
ہوئی توبہ شکن بزم شراب آہستہ آہستہ

پئیں گے ہم تو پینے دو کہ نو آموز ہیں زاہد
یہ سب جاتا رہے گا اجتناب آہستہ آہستہ

ارادہ ہے کدھر کا کونسا ہشیار تاکا ہے
کہاں جاتا ہے وہ مست شراب آہستہ آہستہ

مری بربادیاں تک ہو گئیں برباد یا قسمت
کیا سودائے الفت نے خراب آہستہ آہستہ

سرشک منفعل سے ایک عالم غرق حیرت ہے
سمندر بن گئی چشم پر آب آہستہ آہستہ

کبھی ہو جائیگا یہ بانکپن بھی قاتل عالم
چڑھا کرتی ہے اس خنجر پہ آب آہستہ آہستہ

یہ ڈر ہے اف نہ کر بیٹھے کہیں دل سوختہ انکا
کہ بوئے سوز دیتا ہے کباب آہستہ آہستہ

سر بالین ہے وہ خورشید رو اے بخت خفتہ اٹھ
کہ سر پر آ گیا ہے آفتاب آہستہ آہستہ

کہیں گے مصحف رخسار پر ایمان لے آئے
تو ہم بھی بن گئے اہل کتاب آہستہ آہستہ

کوئی خم ہے نہ ہے بل دیکھی جلدی لف پیچاں میں
کوئی کھاتا ہے دل میں پیچ و تاب آہستہ آہستہ

پھر ہم اس نقش باطل کا کھلا جب گور میں پہنچے
نظر سے ہو گیا اوجھل سراب آہستہ آہستہ

بڑا دربار ہے اسکا رسائی ہوتے ہی ہو گی
دعائیں ہونگی ارشاد مستجاب آہستہ آہستہ

(سید سرفراز حسین خاں ارشاد دہلوی)

مزارِ غالب پر دو آنسو

رات کے اس حصہ میں جب خلق خدا میٹھی نیند کے مزے لے رہی تھی مائیں بچوں کو کلیجہ سے لپٹائے بے خبر پڑی تہیں، ہاتھوں کے گجرے اور کانوں کے پہول وداع شب کا پیغام لا چکے تہے دل وحشی اس شعر کا لطف اٹھا رہا تہا جو عزیزم مولوی ابو محمد سید حسن امام صاحب نے سرنامہ پر اسطرح لکہا۔

مئے عشرت کی خواہش ساقی گردوں سے کیا کیجے
لئے بیٹھا ہے دو ایک جام لیکن وہ اثر گوں وہ بھی

بادنیٰ تصرف (غالب علیہ الرحمہ)

آج سے بیس برس پہلے کی دلی آنکھ کے سامنے تھی، خیالات کی رو کہیں سے کہیں پوہنچی اور گو بدنصیب آنکھیں استاد سخن کے دیدار اور اس زمانہ کی تصویر دیکھنے سے محروم تھیں جسکو شہر آبادی کہنے والیاں بھی جنگل میں جا سوئیں تاہم جو کچہ آنکھیں دیکھ چکی تہیں اور جو صورتیں نظروں سے اچھی طرح آشنا تہیں ان کی یاد کلیجہ مسل رہی تھی اندہیری اچھی اور ٹھنڈی رات، قویٰ ضعیف اور روبہ انحطاط، مگر خیالات نے قلب مضطرب کو چین نہ لینے دیا اور جسد خاکی اس مقام پر پوہنچا جہاں ان مٹنے والوں کی ٹوٹی پھوٹی قبریں پھیلی ہوئی تہیں جن کے دماغ علم ادب کے دامن پر موتی لٹا گئے، چادر مہتاب انکا سراغ دے رہی تہی، اور گو عالم سنسان تھا مگر شبنم ان متبرک ڈھیروں پر آنسو بہا رہی تھی،

اللہ اللہ کیسا پر لطف منظر اور عجیب مقام تہا، کچی پکی قبریں، اینٹ مٹی کے ڈھیر، چونہ کے تودے، ڈہے ہوئے تعویذ اور ڈہی ہوئی دیواریں، ان کے پہلو میں سیپے پڑے تہیں جن کے دیکھنے کو لاکھوں ترستی ہوئی آنکھیں ہمیشہ کی

نیند سو گئیں، اور جو دماغ ایک دنیا کو مالا مال کر گئے آج ہوا کے ٹھنڈے جھونکے انہیں فاتحہ خوانی کر رہے تھے۔

انسان بیوفا اور احسان فراموش سب کچھ سہی مگر میں کہتا ہوں قبرستان تعلقات کی کسوٹی ہے، جن کے داغ موت کا پیام تھے، ان کے نام سے جی بیزار ہو گیا، آنکھوں میں بسنے والے چند روز میں بھول بسر گئے اور جب موت نے پیاروں کی ہڈیاں تک برباد کر دیں تو ان کی یاد بھی دل سے فراموش ہو گئی، غالب مرحوم کی تصویر سے آنکھ آشنا تھی اور مرزا غالب حیات مستعار کا درس دے رہا تھا کہ قوت متخیلہ نے یہ صدا دی۔ یہ قبروں کے سونے والے خاک نشین مردہ نہیں زندہ ہیں، شاہجہاں آباد کا ہر ذرہ اور دریائے سخن کی ہر لہر ان کی بقائے دوام کی شہادت دے رہی ہے گنگا کا بہتا ہوا پانی برہمپتر کی سر بفلک چوٹیاں ان کے گیت گا رہی ہیں۔ مشرق ان محسنوں کی خدمت پوری نہ کر سکا مگر یہ پھول آجتک اپنی خوشبو سے ملک کو معطر کر رہے ہیں لیکن آن پہنچا ہے وہ وقت کہ مغرب ان کے نقش پا کو سجدہ کرے گا اور کمال کے کھوجی ان کے نام سر آنکھوں پر رکھیں گے،

دل صدائے تخیل پر لبیک کہتا ہوا آگے بڑھا۔ اب وہ مقدس بزرگ آنکھ کے سامنے موجود تھے یہ جو خاک دلی سے اٹھے اور آسمان ادب پر چاند بنکر چمکے ان کا فقیرانہ لباس تقدس کے آبدار موتیوں سے جگمگا رہا تھا اور خلق خدا ان کے ہو گلے ہوئے تودے سر آنکھوں پر رکھ رہی تھی، علم و ہنر کے دریا ان کے پاؤں میں لوٹ رہے تھے، اور گو زمانے کی ناقدری نے ان کے متبرک کلیجے جلا دیے تھے مگر عدل و انصاف کے دیوتا سدا بہار پھول کی نچھاور کر رہے تھے، کیسا مبارک وقت تھا کیا کیا صورتیں آنکھ کے سامنے

تھیں اور یہ کیسے کیسے لوگ جن کے تمام مٹ کر بھی کندن کی طرح دمک رہے ہیں، پیش نظر تھے، اجسام فانی پر بقار ابدی کا رنگ چڑھا ہوا تھا اور دل جن کے دیکھنے کو مدتوں ترسا اور تڑپا آنکھ اسوقت ان کے نورانی چہرے دیکھ رہی تھی۔

پرستش کے قابل تھیں یہ مقدس صورتیں جنپر دلّی مدۃ العمر ناز کرے گی اور جن کی نظیر اب پردہ ہستی پر نظر نہیں آتی، کیوں شیدائیان ہستی کیسے تھے وہ دماغ، اور کہاں چھپ گئیں وہ صورتیں جن کا فیض آجتک جاری ہے اور جب تک سلسلۂ حیات کے ساتھ مذاق سخن موجود ہے جاری رہے گا۔

کیسی لالہ زار ہوگی وہ سرزمین جسپر ایسے پھول کھلے جن کی پنکھڑیاں رستہ چلتے مسافروں کو باغ جناں کا دھوکہ دے رہی ہیں اے فانی دنیا، کیا کیئے وہ تاجدار سخن جن کی کرنوں سے اب تک جذبات کی چادر آب جھلمل جھلمل کر رہی ہے، کہاں سے گئی وہ لوگ جن کے منہ سے دم گفتار پھول جھڑے اور جن کے قدموں سے دم رفتار ایسے چشمے پھوٹے جو الیٰ یومنا ہذا اب و تاب سے بہہ رہے ہیں +

اے ظالم موت! کیسے کیسے درشاہوار، دیکھنے دکھانے کے قابل چن چنکر جدا کئے۔ جن کی یاد کلیجے تڑپا رہی ہے۔

صبح صادق کا وقت قریب تھا۔ اور دل مجروح یہ فیصلہ کر رہا تھا کہ لعنت کے قابل اور ملامت کے لائق ہے وہ دنیا جو ان شاداب پودوں کو اجاڑ کر راشد جیسے کانٹوں کا مسکن ہو ضمیر نے اس فیصلہ کی داد دی۔ آنکھ نے حسن عقیدت کے آنسو گرائے فاتحہ کے لہلہاتے ہوئے پھول چڑھا کر مزار غالب کی خاک پاک کو بوسہ دیا اور یہ کہتا ہوا آگے بڑھا +

برگزیدہ، اور رشک کروشن، ہونیوالی پاک روحوں، یہہ آنسوؤں کے

قطرے خلوص کی آنکھ سے نکلے ہیں، اور عقیدت کی گود سے دودھ پیکر اس قابل ہوئے ہیں کہ قدر دانی کے پھول تمہارے مزار پر چڑہائیں فلسفۂ قلب کے ماہروں، یہ ناچیز تحفہ قبول فرماؤ، علوم کی شاہراہ آج تمہارے بغیر سونی سے مزبی ہوا تمہارے روشن کیے ہوئے فانوس گل کرچکی مگر ابہی کچھہ چراغ ٹمٹمارہے ہیں۔ اور گو باد مخالف ان کے سر پر چل رہی ہے مگر یہ بجھنے والی نہیں، قربان ہونے کے قابل تھے تمہارے وہ مبارک ہاتھہ جو اس اجڑی نگری کو آباد کر گئے، جو برباد ہوکر بہی تمہاری گلکاریوں کا نشان دے رہی ہے۔

اس عالم تنہائی میں جہاں شب ماہ کے سوا کوئی مونس اور روز روشن کے سوا کوئی ہمدم نہیں، مالک حقیقی تمہارا نگہبان ہو، اور وہ گلہائے رنگین جو تمہارے خون جگر سے سینچے گئے اور اب تک موسم بہار کا لطف دے رہے ہیں ہمیشہ ہمیشہ سرسبز وشاداب رہیں +

عالم فانی میں ہمیشہ کی نیند سونیوالوں میری سمع خراشی معاف برکت کا ہاتہہ میرے سر پر رکھو دعا دو اور رخصت ہو +

"راشد الخیری"

مہرافروز بیگم۔ یہ وہ کتاب ہے جو ڈہونڈے نہیں ملتی تہی اور اب عصمت ایجنسی نے نہایت محنت و صرف سے تیار کی ہے قصہ کی دل آویزی زبان کی سلاست دیکھنے سے تعلق رکھتی قابل مصنف مولوی سید احمد صاحب کا نام ہی اس کی خوبیوں کی کافی ضمانت ہے۔ قیمت ۸/

منیجر عصمت وتمدن دہلی

نومبر

تمدن

اُمّہاتُ الاُمَّہ

از شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی - ڈی - او - ایل

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيَّ[1] یہاں تو يُوحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ہے اور دوسری جگہ اُوحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ[2] بہرکیف پیغمبر صاحب ہماری ہی طرح کے بشر تھے اور انہیں تمام بشری خواص سے تھے مگر بشریت ایک کثیف چیز ہے اور فرشتے نیرے ارواح مجردہ اور لطیف اسی لیے پیغمبر کی بشریت میں ایک خاص طرح کی لطافت یعنے روحانیت ہوتی ہے جو کسی اور چیز میں نہیں ہوتی؛ اور اسی روحانیت کی وجہ سے فرشتہ پیغمبر پر وحی لاتا ہے یعنی پیغمبر برزخ

---

[1] میں (بھی) تم ہی جیسا آدمی ہوں (مگر) مجھ پر وحی آتی ہے ۱۲

[2] یہ قرآن میری طرف اسی لیے وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تمکو اور جسکو اسکی خبر پہنچے اسکو عذاب خدا سے ڈراؤں ۱۲

ہوتا ہے درمیان بشر اور ملائکہ کے سو

ادھر مخلوق میں شامل ادھر اللہ سے واصل
خواص اس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشددکا

پس ہم پیغمبر کے کسی فعل کو نہ اپنے افعال پر قیاس کر سکتے ہیں اور نہ اپنی تحریکات میں سے قطعی طور پر کسی تحریک کو ان کی طرف منسوب کر سکتے ہیں غرض ہم کو پیغمبر کی حقیقت تو پوری پوری معلوم نہیں تاہم جو فکر ہر کس بقدر ہمت اوست ہم خالص بشری خواص ہی کے اعتبار سے پیغمبر صاحب کے تعلقات پر نظر ڈالتے ہیں یہاں خاصۂ بشری سے مراد لینی ہوگی قوۃ اب دیکھنا چاہئے ہیں کہ دواعی تکثیر ازدواج کیا ہو سکتے ہیں مشہور تو یہ ہے کہ

مال و جمال و آل بخواہند از زناں

لیکن نہ یہ تقسیم درست ہے نہ اس کی ترتیب دواعی تکثیر ازدواج میں سب سے پہلے ہماری نظر غلبہ قوت پر پڑتی ہے کہ یہ قوۃ ہی مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کی طرف مائل کرتی ہے خلاق عالم نے اس قوت میں ایک طرح کی لذت رکھی ہے اور وہ لذت مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ مقصود بالذات ہے تکثیر نسل جو نتیجہ ہے اس قوت سے کام لینے کا مگر کوتاہ بین آدمی نے تکثیر نسل سے قطع نظر کر کے لذت کو مقصود بالذات بنالیا۔ یہ بھوک پیاس کی طرح اضطراری نہیں مگر لوگ اس کے پیچھے سلطنتیں تک کھو بیٹھے ہیں بایں ہمہ چونکہ فطری اور خداداد ہے ہم اس قوت کو برا بھی نہیں کہہ سکتے ہیں قوت فی نفسہا بری نہیں بے جا استعمال نے اسکو بدنام کر رکھا ہے ورنہ خداداد قوتیں سب اچھی ہی ہیں علی القیاس عصمت علیٰ ہذا القیاس حب مال بلکہ فطری قوتوں میں ایک بات اور بھی دیکھی جاتی ہے کہ ان قوتوں کی زیادتی کمال انسانیت کی دلیل

سمجھی جاتی ہے۔ حافظہ۔ ذہانت۔ باصرہ۔ سامعہ۔ توانائی۔ کل جسمانی قوتوں کا یہی حال ہے اور اب یہ بات عام طور پر مان لی گئی ہے کہ روح کی توانائی جسم کی توانائی پر موقوف ہے جسم ضعیف روح قوی کا حامل ہو نہیں سکتا اور سرکاری مدارس میں اسی مصلحت سے لان ٹینس اور فٹ بال اور دوسرے کھیلوں کی ریاضتیں لازمی قرار دی گئی ہیں تاکہ طلبہ چاق چوبند چونچال رہیں اس اصول کے مطابق اس قوت کا بھی جو زیر بحث ہے یہی حال ہونا چاہیئے مگر کثرت استعمال سے بیجا ز یا ذتی تو رہی درکنار سرے سے قوت ہی کو کمالات انسانی کی فہرست سے خارج کر دیا ہے شاید حیادار شخص یہ چاہتے ہیں کہ لوگ عنین پیدا ہوں تو وہ معتوہ العقل بھی ہوں گے اور ایسا ہی دیکھا بھی گیا ہے پس جب یہ قوت فطری ہونے کی وجہہ سے قبیح نہ ٹھیری بلکہ جو اس قوت سے محروم ہو وہ انسان ناقص سمجھا جائے تو اس کے موئدات اور معدات کیوں قبیح ہونے لگے یعنی مثلاً محل استعمال قوت کا حسن صورت کہ ذو بیش برین نیست کہ مذاق قوی کے مطابق قوت کو ہیجان میں لانے والا ہے شباب کو بھی ہم حسن صورت کی ایک ادا سمجھتے ہیں ؎

شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد
بندۂ طلعتِ آنیم کہ آنے دارد

کچھ حسن صورت پر موقوف نہیں کہ اسی کی وجہہ سے مرد عورتوں کی طرف رغبت کرتے ہوں اور بھی چند در چند باتیں ہیں جو مردوں کو مرغوب ہیں کوئی ہنرمند کو پسند کرتا ہے کوئی دیندار کو۔ کوئی خدمت گذار اور اطاعت شعار کو کوئی اچھے خاندان کو کوئی مال دار کو جو بہت سارا جہیز لائے اور ساس سسرے اس قدر خوش حال ہوں کہ بیٹی کو معقول آمدنی جہیز میں دیدیں

تو اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ کوئی لکھی پڑھی کو۔ آجکل کے انگریزی خوان ایسی بے تکلف کو جو تہذیب النسواں میں شوہر کے لیے اشتہار دے انتخاب شوہر سے پہلے جو مانگے اس کو اپنا فوٹو بھیجدے اس کے اندرونی حالات پوچھے جائیں تو اپنا کچا چٹھا کہہ لکر آگے رکھدے یعنی اُڑکر مردوں کو لپٹی پھرے کوئی اولاد کے لیے بی بی کرتا ہے اور اسی نے عورت کی غرض غایت کو ٹھیک سمجھا ہے۔ غرض شخصی ضرورتیں شخصی مذاق بہتیرے ہیں جنکی وجہ سے مرد عورتوں پر گرتے ہیں اب ہم کو ٹٹول کرنی چاہیے کہ بیبیوں سے پیغمبر صاحب کی کونسی غرض متعلق ہوسکتی تھی۔ چونکہ وہ بشر تھے اور بشر بھی کامل القوئے اور خود بکار سے کہتے تھے۔ انا بشر مثلکم[۱] اور لا اقول لکم عندی خزائن اللہ و لا اعلم الغیب و لا اقول لکم انی ملک[۲] تو ذکور کو اناث کی طرف مائل ہونے میں عام جائز وجوہ جو اوروں کی طرف منسوب ہوسکتی ہیں پیغمبر صاحب کی طرف بھی منسوب کی جاسکتی ہیں بے اس کے کہ اُن کی شان پیغمبری میں ذرا سا بھی ضعف آئے یہ کچھ انوکھے پیغمبر تو نہ تھے۔ ما کنت بدعاً من الرسل[۳] ان سے پہلے ہی پیغمبر آئے منہم من قصصنا علیک ومنہم من لم نقصص علیک[۴] اور وہ سب صنعت بشری سے تھے اور بستہ ضرورتے

[۱] کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں۔ ۱۲

[۲] میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کی سرکار کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں ۱۲

[۳] میں پیغمبروں میں کوئی انوکھا پیغمبر تو ہوں نہیں ۱۲

[۴] ان پیغمبروں میں سے (بعض) ایسے ہیں جن حالات ہم نے تم کو سنائے اور ان میں (بعض) ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے تم کو نہیں سنائے ۱۲

بدون ترکیب عنصری کو باقی نہیں رکھ سکتے تھے لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق[۵۱] تو اس ایک قوت لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ[۵۲] نے کیا قصور کیا ہے کہ اس کا عمل میں لانا مستلزم کسر شان پیغمبری ہو۔ دواعی نکاح جو ہنسنے اوپر گنوا ئے ہیں اس کے علاوہ پیغمبر صاحب میں اشاعت اسلام کا ایک داعیہ خاص بھی تھا تمام دواعی پر غالب وہ دین توحید لیکر آئے تمام ادیان مروجہ کے مخالف اور لیکر آئے ایسے لوگوں میں جن کو جلمنا سنت چھو نہیں گئی تھی وہ چھوٹتے کے ساتھ گالی گلوج اور مار کٹائی پر اتر پڑے صبر و تحمل کی بھی ایک حد ہوتی ہے مگر کرتے کیا ایک طرف خدا کہتا ہے یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ[۵۳] اور اسی پر بس نہیں دوسری جگہ فرماتا ہے ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین فما منکم من احد عنہ حاجزین[۵۴]۔ دوسری طرف جو ہے خون کا پیاسا ہی اور اگر واللہ یعصمک من الناس[۵۵] اور واصبر وما صبرک الا باللہ

---

[۵۱] وہ (پیغمبر) کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں (بھی) چلتے پھرتے تھے ۱۲

[۵۲] تاکہ تم کو ان کی طرف (رغبت کرنے سے) راحت ملے اور تم (میاں بی بی) میں پیار اور اخلاص پیدا کیا ہے ۱۲

[۵۳] اے پیغمبر جو (احکام) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ (بلا کم و کاست لوگوں کو سمجھا دو) اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھا جائیگا کہ تم نے خدا کا پیغام (بھی لوگوں کو) نہ پہنچایا - ۱۲

[۵۴] اور اگر (یہ پیغمبر زبردستی) کوئی بات ہمارے سر چپکتا تو ہم نے (خونیوں کی طرح) اس کا دہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی گردن اڑا دی ہوتی اور تم میں کوئی بھی ہم کو اس سے

ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون کی تقویت اور حفاظت نہوتی تو رسالت کی بیل ایک گھڑی بھی منڈھے چڑھنے والی نہ تھی مگر صداقت کے بھروسے پیغمبر صاحب تیرہ برس تمام آفتیں بھگتتے رہے یہاں تک کہ پائے ثبات جگہ سے اکھڑ گئے اور مدینے میں جاکر پناہ لی اٰلہی کیسے دل ہیں کہ یہ سب کچھ سن سمجھ کر بھی اسلام پر نہیں پسیجتے ۔لوگ بیبیاں کرنے میں جو اعتراض مدنظر رکھتے ہوں ۔ہمارا دل تو گواہی دیتا ہے اور ہمارا دل کیا گواہی دیتا ہے ہر ایک منصف دل گواہی دے گا کہ پیغمبر صاحب نے جو بی بی کی اسلام کا مفاد پیش نظر رکھکر کیسی نفسانی خواہش اور کیسا حسن و جمال اور کیسی دولت اون کو اسلام کے آگے کچھ سوجھتا ہے نہ تھا ہم اسکی ضرورت کو سمجھتے نہیں کہ مناکحت کو خلاف شان پیغمبری سمجھکر پیغمبر صاحب میں فقدان قوت کے قائل ہوں ۔ایسا سمجھنا ان کے کمال انسانیت کو بٹہ لگانا ہے ۔پس سچی اور سیدھی بات یہ ہے کہ پیغمبر صاحب کی مناکحت میں اس قوت کو بھی دخل ضرور تھا مگر اسلام کی دھن کے آگے پیغمبر صاحب کی تمام بشری خواہشیں بشری اغراض مغلوب تھیں ۔ہر نکاح میں اول اور اقدم اسلام اور اسلام کی رکھن میں دوسری اغراض اور یہی وجہ تکثیر ازواج کی بھی ہوئی کہ دامادی کے دباؤ سے سارے سسرالی قبیلے کو جھکنا پڑتا ہے اور اسی کی اسلام کی اشاعت کے لیے بڑی ضرورت تھی ۔یہاں تک کہ جب اسلام کو خدا نے

بقیہ نوٹ ص ،،) روک نہ سکتا تھا اور اللہ تم کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ اور (اے پیغمبر تم مخالفوں کی ایذاؤں پر) صبر کرو اور خدا کی توفیق کے بدون تم صبر کر ہی نہیں سکتے اور ان مخالفوں کے حال پر افسوس نہ کرو اور یہ لوگ جو تمہاری مخالفت میں) تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہو ۱۲۔

غلبہ دیا اور اعوان و انصار کے بہم پہنچانے کی ضرورت نہ رہی تو لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِن بَعدُ سے تکمیل کو روک دیا۔ غرض ہم تو پیغمبر صاحب کے نکاحوں میں کسی طرح کی اخلاقی برائی پاتے نہیں۔ یہ بات کہ اشاعت اسلام کے آگے پیغمبر صاحب کی تمام بشری خواہشیں مغلوب تھیں اس کی ہمارے پاس بہت سی دلائل ہیں۔ از انجملہ یہ کہ پیغمبری کے پہلے سے پیغمبر صاحب بالطبع بت پرستی سے نفور رہتے تھے اور اپنی قوم اپنے اہل وطن بلکہ تمام لوگوں کو بتلائے گمراہی دیکھکر بہت ہی بے چین رہتے تھے ان کو اس فکر میں کھانا پینا سونا ملنا جلنا کوئی چیز بھلی نہیں معلوم ہوتی تھی پس یہ ان کے اخلاق کا اصل الاصول ہے غلبہ اسلام کے ساتھ اس فکر کی شان تو بدل گئی مگر مرتے دم تک رہے اسی فکر میں منہمک ہے

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
غم کے جانے کا بہت ماتم رہا

ہم اس درد کا ٹھیک اندازہ کر نہیں سکتے جو ان کو ابنائے جنس کا تھا پیغمبری کے قریب قریب وہ بالکل عزلت پسند ہو گئے تھے اکیلے غار حرا میں بیٹھے خدا کا دھیان کرتے بلکہ ایک مرتبہ مایوسی کی حالت میں پہاڑ پر سے گر کر اپنی جان تک گنوا دینے کا ارادہ کیا تھا۔ اسی حالت پر قیاس کرلو کہ جس شخص کے ایسے خیالات ہوں اسکو نفسانی خواہشیں کہاں تک گدگدا سکتی ہیں عرب جیسے گرم ملک کے رہنے والے جہاں مرد اور عورت دونوں سویرے بالغ ہو جاتے ہیں اول درجے کے شریف النسب جوان خوش رو نیک نام بہمہ صفت موصوف یہ تو اگر چھوکریوں طلب کرتے سکے تکے پیسے بڑے

لے اے پیغمبر اس وقت کے بعد سے دوسری عورتیں تمکو درست نہیں ۱۲

رئیس سمجھتے ان اپنی بیٹیاں ان سے بیاہ دیتے مگر ان کو نہ ہی استغراق میں ایسی باتوں کا خیال ہی نہ تھا۔ پیغمبر صاحب تو یتیم پیدا ہوئے تھے شروع دادا عبدالمطلب کے کنار عاطفت میں پرورش پائی اون کے انتقال کے بعد چچا ابوطالب کفالت کرتے رہے۔ قریش خانہ کعبہ کی تولیت کی وجہ سے تمام قبائل عرب کے رئیس تھے اور قبیلہ قریش کے رئیس کا بڑا عن کا بڑا پیغمبر صاحب کے آباؤ اجداد ہ

باقی آئندہ

احسن التفاسیر اردو — جسکے جید وحیدہ فواید ترجمہ قران شریف مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی کے حاشیہ پر چڑہائے گئے تھے اور جسکا نام احسن الفوائد تہا جو نہایت مقبول ہوئے اب وہ قران شریف بہی نایاب ہے مگر اکثر احباب کے اصرار سے میرزا عبدالستار بیگ صاحب مالک تحفہ ہند پریس کوچہ روح الدخان دہلی نے اون فوائد کو صحت روایت کی پوری پابندی کیساتھ مکمل کرکے احسن التفاسیر نام سے پوری تفسیر قران شریف اور فرقان حمید کی نہایت عمدہ طبع کیا ہے۔ اس تفسیر کی منزل منزل جدا ہے ہر منزل تفسیر کے ساتھ مضامین کی ایک فہرست بہی لگادی گئی ہے تاکہ ہر ایک مطلب کے نکالنے مین آسانی ہو اور اول منزل کے ساتھ اس تفسیر کا دیباچہ بہی لگادیا گیا ہے جسمین اصول تفسیر کے بہت سے مسائل حل کردے ہین۔ اردو مین یہ تفسیر پہلی طرز کی صحیح روایتہ کی تفسیر ہے اور مولف تفسیر حضرت مولانا علامۂ زمن مولوی سید احمد حسن صاحب اول تعلقہ دار حیدرآباد دکن پنشنر کی یہ محنت مسلمانون کے دلی شکریہ کی مستحق ہے۔ قیمت کامل تفسیر جو خاص رعایت کی گئی ہے صرف دس روپے چار آنہ۔ علاوہ محصول ڈاک ہے۔
جو میرزا صاحب مالک تحفہ ہند پریس دہلی کے پتہ سے مل سکتی ہے۔

نامۂ فیاض

من تصنیف عالیجناب معلے القاب حضرت نواب محمد فیاض الدین خاں مرحوم تخلص فیاض المخاطب مشرف جنگ۔

اے جگر بند خاص لخت جگر ‏ ‏ ‏ میرے نور نظر کے نور نظر
سعد اختر سعید سعد الدین ‏ ‏ ‏ نیک منظر رشید سعد الدین
اے خجستہ سیر ارادت مند ‏ ‏ ‏ تجکو خالق کرے سعادتمند
اے میرے نور دیدہ راحت جاں ‏ ‏ ‏ فرحت افزائے قلب و تاب و تواں
مردم چشم آرزو تو ہے ‏ ‏ ‏ غنچہ دل کا رنگ و بو تو ہے
تجکو مطلب پہ کامرانی ہو ‏ ‏ ‏ مجکو وہ چند بشادمانی ہو
میرے فرزند کے جگر پیوند ‏ ‏ ‏ حق تعالے تجھے رکھے خورسند
اپنے مطلب پہ کامراں تو ہو ‏ ‏ ‏ بخت و دولت سے شادماں تو ہو
جب سے لندن کو تو سدھارا ہی ‏ ‏ ‏ کیا کہیں حال کیا ہمارا ہی
اے مرے نور چشم نور العین ‏ ‏ ‏ تیری دوری سے جان ہی بیچین
روز و شب تیرا دہیان رہتا ہی ‏ ‏ ‏ دل بیتاب رنج سہتا ہی
غم دوری کا کس کو یارا ہے ‏ ‏ ‏ تیری فرقت کہاں گوارا ہے
میرے فرزند کا ہے تو فرزند ‏ ‏ ‏ میرے دلبند کا ہے تو دلبند
نخل امید کا ثمر تو ہے ‏ ‏ ‏ صدف چشم کا گہر تو ہے
آجتک ہے مجھے یہی حیرت ‏ ‏ ‏ کون سے دل سے دی تجھے رخصت
پرورش پائے جو بصد اعزاز ‏ ‏ ‏ اسکو ایسا سفر ہو دور و دراز

تیرا ہر دم خیال ہے مجکو لحظہ لحظہ وبال ہے مجھکو
دل ہے بیتاب جان ہے بیکل ہجر کا اک برس ہوا اک اک پل
آگے آنکھوں کے ہے تیری تصویر تیری جانب ہے خاطر دلگیر
ہے جدائی تری نہایت شاق تیرے دیدار کا ہے دل مشتاق
روز و شب دل کو بے قراری ہے یاد تیری زباں پہ جاری ہے
یہ دعا ہے جناب باری سے پھر کے تو آئے کامگاری سے
میرے یوسف خدا ملائے تجھے چشم مشتاق سے دکھائے تجھے
کبریا تجکو ارجمندی دے بخت مسند وں پہ سربلندی دے
اپنے مطلب پہ شاد کام ہو تو دونو عالم میں نیک نام ہو تو
ہو معاون ترا خدائے زمن دل ہمارا ہو چشم ما روشن
اس سفر کا مآل اچھا ہو یہ مہینا یہ سال اچھا ہو
تیری محنت کا ہو صلہ رحمت سب ٹھکانے لگے تیری محنت
ہو اسیطرح سب کی یکجائی بسلامت روی وبازآئی

دل سے کرتا ہے تو دعا **فیاض**
سن لے تیری دعا خدا **فیاض**

(مرسلہ محمد عبد الستار)

ناظرین تمدن خط وکتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں ۔

منیجر تمدن

تعدد ازدواج اور اُسکے اسباب

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

(۱) خدا ہمارے محترم بزرگ قوم مرحوم و مغفور جناب مولانا نذیر احمد صاحب اعلی اللہ تعالے کو غریق رحمت کرے! کہ مرتے دم تک ہماری طرف سے غافل نہ ہوئے اور چلتے وقت بھی اپنی ایک نشانی چھوڑ گئے جوان کے لایق عزیز اور ہمارے قابل احترام کرمفرمائے مولوی محمد عبدالرشد الخیری صاحب اڈیٹر رسالہ ہذا کے ذریعہ ہم کو پہونچ رہی ہے۔ مولانا مرحوم کے ایسے علمی قابلیت کے آدمی کی یادگار سوائے قلمی کارناموں کے کیا ہوسکتی ہے؟ مولانا مغفور کی آخری تصنیف امہات الامہ ہے۔ جسکے ابتدائی حصے رسالہ ہذا کی اگلی اشاعتوں میں چھپ چکے ہیں اور باقی چھپنے کو ہیں۔ جس طرح مولانا نے اردو لٹریچر میں اپنی ناولوں کی تصنیف سے نئی روح پھونک دی تھی میں تو کہونگا۔ کہ اس نئی کتاب کے لکھنے سے انھوں نے اردو داں پبلک کے سامنے ایک نیا طرز جواب پیش کر دیا ہے۔ اِس وقت تو ضرور بعض طبائع اس نئی صنف تالیف کو دیکھکر ذرا بھڑکیں گے مگر چونکہ چیز ہے عمدہ اور پھر مفید مطلب بھی تو آگے چلکر ان کو بھی اپنی رائے بدلنی پڑے گی۔ اسوقت چونکہ مجھے اس کتاب پر اظہار خیالات نہیں کرنا ہے لہذا اسکے بارے میں مزید رائے زنی فضول سمجھتا ہوں۔

(۲) ہاں تو کہنے کی بات یہ تھی۔ کہ فطری طور پر اسوقت ناظرین کے تخیل

حافظہ میں وہ سب دلائل جو امہات الامۃ کے شائع شدہ حصہ میں لکھے ہوئے ہیں محفوظ ہونگے۔ اور اس بنا پر ایک خاص دلچسپی اس بحث کے ساتھ رکھتے ہونگے۔ مجھے معلوم نہیں مگر یقین ہے کہ مولانا موصوف نے آب وہوا اور گرد ونواح کے اثرات کو بھی اپنے دلائل میں ضرور شامل کیا ہوگا۔ جیسا کہ ہم آنے والی اشاعتوں میں دیکھیں گے۔ اسوقت میں ذیل میں ایک یورپین مستشرق کے خیالات اور دلائل کا جو تعدد ازدواج کی ضرورت پر ہیں ترجمہ دینا چاہتا ہوں مگر قبل اسکے کچھ بدعار ضروری الاظہار لکھنا قرین مصلحت سمجھتا ہوں۔ یقین غالب ہے کہ ناظرین اس مضمون کو دلچسپی کی نظر سے دیکھیں گے۔

پادری ایف۔ برہم زنگ F. Barham Zinck ان معدودے چند یورپینوں میں سے ہیں جو اگرچہ اسلام کو اُس عظمت اور تقدس کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جس نظر سے پیروان دین متین اسکو دیکھتے ہیں مگر تو بھی جہاں معقولیت ہوتی ہے وہاں سر تسلیم خم کرنے میں بھی نہیں ہچکچاتے* کئی دنوں سے میں انکی ایک کتاب مسمی بہ Egypt of the Pharaohs[×] جسکا پہلا اڈیشن وسط ۱۸۷۱ء میں شایع ہوا تھا۔ دیکھ رہا تھا۔ اس بات کے معلوم کرنے کے بعد کہ وہ حلقہ وہرسنڈ کے پادری اور ملکہ مرحومہ کے خاندانی پادری Chaplain تھے شاید ناظرین کو تعجب نہ ہوگا اگر وہ سنیں گے کہ مستشرق نے ج۔ قرآن اور حور کا جسکو وہ حورزم کہتے ہیں اپنے خیال کے مطابق خوب خاکہ اڑایا ہے مگر چاند پر تھوکنے سے منہ پر پڑتا ہے۔ کہاں تک وہ اس روش کے قائم کرنے میں برسر حق ہیں جاننے والوں سے مخفی نہیں۔ اسی موجودہ مضمون میں ناظرین

* یوں ان کے ذہن میں کوئی بات نہ آئے تو اور ہی امر ہے۔ ۱۲

× and the Khedive

اکثر جگہ پر قابل گرفت جملے پائیں گے مگر ہم سفارش کرتے ہیں کہ پادری صاحب کی غلط بینی کو نظر انداز کیجئے اسلیئے کہ وہ ان کی کم بصارت پر دال ہے۔

(۴) فطرت کہو یا نیچر معنی دونوں کے ایک ہیں صرف فرق یہ ہے کہ یہ انگریزی لفظ ہے اور وہ عربی مگر اس سے کیا ہوتا ہے دیکھنا یہ ہے کہ آیا جو قواعد مقرر کئے ہیں وہ بھی انسانی طبائع کے خلاف ہیں یا نہیں۔ اگر ہاں کہو گے تو اسکا یہ مطلب ہو گا کہ بدیہی باتوں سے انکار ہے اور یہ دلیل عقلی نہیں اس سئے لابدی طور پر نفی میں جواب دینا پڑے گا اور اسکی وجہ یہ ہے کہ طبائع فطرت کے بنائے ہوئے ہیں۔ تو ضروری ہوا کہ فطرت جو قانون وضع کرتی ہے تو اس وقت ان طبائع کا اسکو علم ہوتا ہے پھر کیسے ممکن ہے کہ ان کے خلاف ہو باقی رہا اختلاف طبایع جو آب وہوا اور بعض بعض نسلی اور شخصی خصوصیتوں کا اثر ہے تو اس سے یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ عام اجازت میں یہ رخنہ انداز ہوتے ہیں۔ ہم لوگوں کو یقین ہے کہ احکام دین متین سب جگہ کے واسطے ایکساں ہیں اور کہ ہر شخص مثلاً روزہ رکھنا ہر ملک کے مسلمان پر فرض ہے اسی طرح غیر مستطیع مسلمانوں کو کہیں بھی فرض نہیں۔ ہمارے لایق مستشرق کہتے ہیں کہ تعدد ازدواج اصول فطرت میں سے ہے مگر انھوں نے نیچر کی حکومت کو ایک خاص حلقہ میں محدود کر دیا ہے جو مادہ پرست یورپ سے کبھی نہ کی جا سکتی۔

(۵) اصل بات یہ ہے الاسلام دین الفطرت اسلام دین فطرت ہے اسکے احکام ہر جگہ کے لیے ہیں اور یہ تو خود غلط ہے کہ "کسی مذہب نے بھی جو یورپ میں کبھی بھی اختیار کیا گیا ہو۔ اپنے عمل کی پاسداری سے ایسا

قانون نافذ کیا" اسلئے عمل سے مراد تعدد ازدواج ہے۔ افسوس دیدہ ودانستہ پادری صاحب جیسا عالم آدمی ایک کھلی حقیقت سے انکار کرتا ہے۔ کیا کسی بڑے مذہب نے بھی عام اس سے کہ وہ کسی ملک کا ہو تعدد ازدواج کی ممانعت کی ہے؟ اور کیا یورپ کی موجودہ حالت باوا آدم کے وقت سے آرہی ہے؟ یہ محض یورپین تہذیب کی ایک ظاہری نمایش ہے۔ جتنے وہاں سے تعدد ازدواج کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ تو بھی ذرا کسی یورپین ملک کی حالت کو دیکھو کہ ایک ایک مرد کی کئی کئی ناجائز بیاں ہیں۔ اور پھر ان باتوں کو کیوں بیتے ہو۔ اگر تم اعداد کا رد دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اس وحدانیت زوج نے تثلیثیہ فرقے پر کیا اثر کیا ہے۔ پیدایش اور اموات اطفال اور تعداد مردوزن پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ایک دردانگیز حکایت سن رہے ہو۔ جولائی ۱۹۱۲ء کی London magazine کا پہلا مضمون اور وکیل امرتسر کا ۱۴۷ دیکھو۔

انگلستان میں ہمدردان قوم نے جو ملک کی اس دن بدن متنزل حالت سے متاثر ہوئے ہیں ایک سوسائٹی قائم کی ہے جسکا نام Eugenics Society رکھا ہے۔ اس سوسائٹی نے اعداد و شمار فراہم کئے ہیں جو بہت دردانگیز ہیں۔ بہرکیف پورے غور و خوض کے بعد معلوم ہوا اس پیدایشی زوال کے اسباب حسب ذیل ہیں:-

(۱) عورتوں کی آبادی کا تہائی کے قریب حصہ بن بیاہی زندگی بسر کرتا ہے۔

(۲) ملک میں استقاط حمل کی کثرت ہے۔

(۳) جو بچے پیدا بھی ہوتے ہیں ان کی خبرگیری نہیں ہوتی ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اموات اطفال کی گرم بازاری ہے۔

(۴) آبادی کی فلاکت زدہ جماعت اولاد کی پرورش کا بار نہیں اٹھا سکتی

اب ان اربعہ عناصر زوال کو دیکھئے۔

(۱) عورتوں کی آبادی کا اتنا بڑا حصہ کیوں بن بیاہی زندگی بسر کرتا ہے۔ اسکی دو ہی وجہ ہیں اول یہ کہ ان کے لئے شوہروں کی کمی ہے۔ یا دوسرے یہ کہ آزادی کی اس قدر دلدادہ ہیں کہ محکوم ہونا پسند نہیں کرتیں۔ اگر تعدد ازدواج ممنوع نہ ہوتا تو پہلے سبب کا تو فوری علاج ہوسکتا تھا کہ مرد متعدد شادیاں کرتے۔ باقی دوسرا سبب تو میرے خیال میں اس آزادی کا بھی یہی علاج ہے کہ ان کو کافی موقعہ دیا جائے کہ وہ اس مسئلہ کو غور کرکے حل کر ڈالیں ضرور ہے کہ نیچر کی فتح ہوگی۔

(۲) اسکی وجہ تو اظہر من الشمس ہے اور مزید تشریح کی محتاج نہیں کاش کہ آج تعدد ازدواج کا رواج ہوتا تو یہ دلسوز واقعات سننے میں نہ آتے۔ آج جن کاروائیوں کی شرم نے انسانی ہمدردی کو قلب سے دھو دیا ہے اور انسان کو مردم در بنا دیا ہے اگر تعدد ازدواج ہوتا تو یہ شرم فخر سے بدل جاتی اور آبادی عالم کا اسقدر کثیر حصہ نذر اجل نہ ہوتا۔

آپ جانتے ہیں دلدادگان تہذیب جدید تو اس بات کے کوشاں ہیں کہ مشرق مغرب ہو جائے مگر مغرب ہے کہ مشرقی النفس قدم پر چلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ لیکن سوسائٹی کی جکڑ بند زنجیروں سے خلاصی نہیں ملتی۔ آہ! اسقدر دل دکھلانے والی کہانی ہے کہ عورت یعنی ماں جسکی محبت تمام جہان میں ضرب المثل ہے۔ اپنی اولاد کی پرواہ نہیں کرتی۔ اور طعمۂ نہنگ اجل ہوتے ہوئے دیکھتی ہے اور خاموش ہے

وہاں کی اندرونی زندگانی پر غائر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہو گا کہ ماں کو اپنی سوشل

دعوتوں، جلسوں، محفل رقص و سرود، پارٹیوں اور کلبوں سے اتنی فرصت کہاں کہ جن تعلقات سے وہ چند دنوں کے لئے بمجبوری علیٰحدہ ہو گئی تھی اُن سے پیچھا چھڑا کر اولاد کی طرف متوجہ ہو۔ پیدائش کے بعد سے بچہ نرس یعنی دایہ کے سپرد ہو جاتا ہے۔ لیکن دایہ رکھنے کی حیثیت نہ ہوئی اور پھر سوسائٹی میں بھی ہستی اٹھوانی نہیں تو مجبوراً بہ تقدیر کسی پڑوسن یا گھر کی بوڑھی سڑی عورت کے سپرد اسکو کر دیا اور بیوی صاحبہ ہواخوری کے لئے فرار ہو گئیں ان سب پہ مزید برآں آجکل عورتوں کے ووٹ رائے دہی کا وہ شور بے ہنگام برپا ہے کہ الاماں والحفیظ۔ سچ تو یہ ہے اس ملک کا اللہ ہی بیلی ہے جہاں کی عورت ایسی البیلی ہے۔ اللهم احفظنا من كل البليات۔ اگر تعدد ازدواج کا رواج موجود ہوتا تو پھر کس آسانی سے مرد ہر بیوی کی خدمت علیحدہ کر دیتا اور کس عمدگی سے کام چلتا۔

اب جب یہ ثابت ہو گیا کہ تعدد ازدواج کی بدیہی ضرورت ان مخصوص ملکوں کے علاوہ دیگر تمام ملکوں میں عموماً اور یورپین ملکوں میں خصوصاً ہے اور یہی مجھے ثابت کرنا بھی تھا تو اب میں اصل مضمون کو لکھتا ہوں۔ اپنے ناظرین سے ان کے قیمتی وقت کے بیشتر حصے کے برباد کرنی معافی مانگتا ہوں مگر ناظرین کو یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ کہ جس طرح میں تعدد ازدواج کا یورپ کے واسطے اور جہاں ضرورت ہو وہاں کے واسطے حامی ہوں اُسی طرح طلاق کی آسانیوں کو بھی عام کرنے کا طرفدار ہوں۔ اکنوں آمدم بر سر مطلب۔ لیکن اگر یہ ثابت نہ بھی ہوتا کہ تعدد ازدواج کی یورپ کو ضرورت ہے تو بھی کچھ ہرج نہ تھا اسلئے کہ یہ مسئلہ جوازی منجملہ فرائض سے تو نہیں ہے۔ ضرورت دیکھو اسپر عمل کرو اور ضرورت نہ معلوم ہو چھوڑ دو میں خوش میرا خدا خوش۔

(ماخوذ از کتاب مسمیٰ "مصر فیروان[۵۱] و خدیو" مولفہ پادری ایف ۔ برہم زنگ)

مرد و زن کے ان مختلف اصول معاشرت کو دیکھکر سیاحوں کو تعجب ہوتا ہے جو حدود مشرقی میں مروج ہیں ۔ اور جنھوں نے رسم و رواج اور انسانی طریقہ رہائش کی بالکل صورت بدلدی ہے ۔ عورتوں کی سوسائٹی میں پہنچنا محال ہے ۔ عورتیں نماز کے وقت مسجدوں میں نظر نہیں آتیں ۔ اور ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ انکا گھر پر بھی فریضہ پنجگانہ ادا کرنا محض شاذ و نادر مثال ہے اسلئے کہ اصول و قواعد جو نماز کے لئے ضروری ہیں ان کو کبھی بتلائے ہی نہیں گئے ۔ بہت اچھی طرح ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی سڑک سے گذرے جہاں بکثرت آمد و رفت ہو مگر آنے جانے والوں میں اسکو ایک عورت بھی نظر نہ آئے ۔ قاعدۂ مقررہ کے مطابق کوئی عورت جب تک نکاح نہ ہولے اور شوہر کے گھر نہ جائے نہ تو اپنے منگیتر کو دیکھ سکتی ہے اور نہ اس سے بات چیت ہی کر سکتی ہے ۔ نکاح کے بعد بھی عورت سوائے برادری والوں کے کسی غیر مرد سے سوشل برتاؤ نہیں کر سکتی ۔ غیر ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ سوال نہ کرے کہ آخر وہ کون سے اسباب ہیں جنھوں نے ایسے رسم و رواج پیدا کر دیئے جو ہمارے یہاں کے اس قسم کی باتوں کے جنکو ہم مبنی بر عقل اور پسندیدہ سمجھتے ہیں اس قدر برعکس ہیں ۔ ہم ایک نظر میں دیکھ لیتے ہیں کہ یورپی قومیں مرید شک اور رشک کرنے والوں کی نسل سے (شاید یورپ کا باوا آدم دوسرا تھا مترجم) اور شک و شبہات بھی ایسے جن کا گرچہ ہم لوگوں کو ذرا بھی احساس[۵۲] نہ ہو ۔ مگر باشندگان مشرق میں بہت بڑی مقدار میں موجود ہیں ۔ تو کیا یہی وجوہات ہیں جو مشرقی اقوام میں ان ناپسندیدہ

[۵۱] فیروان جو قدیم شاہان مصر کا خطاب ہے (حسن وارثی) [۵۲] دروغ گویم بر روئے تو (مترجم)

خیالات کے محرک ہوئے؟ ضرور اسکی کوئی ایسی ہی معقول وجہ ہونی چاہیئے، جسمیں صرف شک وشبہات پیدا کرنے کی طاقت نہ ہو جس سے مرد عورت کے تعلقات باہم دیگرے کے پورے خصوصیات پر غور کرنے کے لئے کافی نتائج نکل سکیں بلکہ اسکو ایک ایسا سبب ہونا چاہئے جسکا ان کے ساتھ ایک خاص اور عجیب وغریب تعلق ہو یہ تعدد ازدواج اور صرف تعدد ازدواج کی بنا ہوئی ہیں۔

ایک آدمی کا بہ یک وقت کئی بیویاں کرلینا اور جتنا اُسکا جی چاہے یا جتنے کی اسکو گنجایش ہو اتنی ہی لونڈیاں بھی رکھ لینا مشرقی ضروریات زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے۔ اور اسکے لئے ہر دوسری اشیا میں کمی وبیشی کرنی ہوتی ہے۔ برعکس حالت پیجیے اور شاذ و نادر مثالوں سے قطع نظر کیجئے کہ انتظام عام کے معمولی قوانین کے اعتبار سے اسکے عمل کا کیا نتیجہ ہوگا۔ اگر عورت کو ایک سے زیادہ شوہروں کی الفت پر تسرار رکھنی ہوتی تو بدحالت کیا ہوتی؟ اور وہ رسم ورواج جو اس حالت سے پیدا ہوتے کس قسم کے ہوتے؟ بفرض محال اگر عورتوں کو اپنے حسب خواہش قانون بنانے اور ان کے عمل درآمد پر مجبور کرنے کا اختیار ہوتا تو کیا اس حالت میں ہر ایک عورت اس بات کی پوری خبرگیری نہ کرتی کہ اسکے شوہر کے دوسری عورتوں سے جہانتک ممکن ہو کم تعلقات رہیں؟ کیا وہ ان کو مردانے مکان میں بند نہ رکھتیں؟ کیا وہ ان کو بے برقع کے باہر نکلنے دیتیں؟ اس حالت میں جو رشک وحسد عورتوں کو ہوتا وہی موجودہ حالت میں ہم محسوس کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے انہیں حسیات پر عمل کیا ہے اور مذہبی تہمت شہرتی رسم ورواج قایم کیا۔

اس اعتراض میں کوئی معقولیت نہیں کہ تمام جگہ تعدد ازدواج رائج نہیں ہے۔ تمام جہان تعدد ازدواج کا کاربند ہو سکتا ہے مگر یہ وہ حالت ہے جبکے سلئے عام رسم ورواج کو بہت کچھ مناسب حال ہونا پڑے گا جس امر کو سب لوگ صحیح اور درست مانتے ہیں اور جسپر عمل پیرا بھی ہیں وہ ایک ایسی شے ہے جسکی ضروری فکر پہلے ہی سے کی گئی ہو۔

ابھی تک ہم لوگ بات کی تہ کو نہیں پہونچے ہیں۔کسی خاص عمل کے اسباب بین طور پر خاص رسم ورواج دکھلائی دینگے بہرکیف یہ بحث پورے طور پر سمجھ میں نہ آوے گی جب تک ہم ایک قدم آگے بڑھکر یہ نہ معلوم کرلیں کہ اس رواج کے پیدائش کے اسباب کیا ہیں۔اکثر اس قیاس کی وجہ سے کہ شرق میں باعتبار مغرب کے آتشیں ..... کے شعلے زیادہ تند و تیز ہیں سرے سے اس سوال ہی کو چھوڑ دینے پر ہمسکو مجبور کرتی ہے کسی آدمی کا یہ مطلب ہوتا ہے جبکہ آپ اسکو یورپین کے بارے میں سرد مزاج اور عرب کی نسبت آتش مزاج بولتے ہوئے سنتے ہیں کہ آخر الذکر کا قیاسی طور پر حد سے زیادہ تند مزاج ہونا مشرقی آفتاب کی حرارت کے لحاظ سے مانا گیا ہے حقیقت میں اسکی کوئی شہادت نہیں اور نہ یہ اسکا سبب ہو سکتا ہے کیونکہ اگر یہ تشریح صحیح بھی ہوتی تو ہم تعدد ازدواج کو وہاں اس جملہ کے دونوں معنی میں پاتے (یعنی متعدد بی بیوں کے لئے متعدد شوہر بھی ہوتے مترجم) بیشک اسکی بھی کوئی شہادت نہیں کہ اس آگ کے شعلے یورپ کے بہ نسبت ایشیا میں زیادہ گرم ہوتے ہیں۔

اس بات کی تحقیقات کرنے میں مثل اور دوسری باتوں کے ہم کو جو کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اسکی حقیقتوں کو دریافت کرلیں اور بعد ازاں

دیکھیں ان سے کیا کیا معقول نتیجے نکلتے ہیں۔ بے شک ایک بڑی اہم حقیقت یہ ہے کہ زمین کے خاص محدود حصوں میں تعدد ازدواج رائج ہے اسکی کافی اور پوری تصریح کی گئی ہے۔ یعنی اس حصہ میں شمالی افریقہ۔ مصر۔ عرب۔ شام اور ایران داخل ہیں۔ لیکن اس سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ تعدد ازدواج کا رواج اور ملک میں کبھی نہ ہوا ہو۔ ممکن ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مثل دیگر رواجوں کے اس رسم نے بھی اپنے محدود حلقہ سے قدم باہر نکالے ہوں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ یہ خاص حدود جو قائم کئے گئے ہیں ہمیشہ سے اور اب بھی تعدد ازدواج کے اصلی اور فطرتی وطن ہیں حدود یورپ وحدانیت زوج کے اعتبار سے ویسی ہی نمایاں ہیں۔ ایشیائے کوچک ایک ایسا متوسط الحال اور اسی ترتیب کے ذیل میں نہ آنے والا خطہ ہے جو محل وقوع کے لحاظ سے اگرچہ ایشیا کا سرحدی جزیرہ نما ہے مگر خط و خال کے اعتبار سے یورپ سے زیادہ قریبی مشابہت رکھتا ہے۔

اب دیکھئے ان محدود ملکوں میں ایک عام اور نمایاں مادی علامت ہے یعنی یہ سوکھے اور اجاڑ ریگستان علاقے ہیں۔ یا زیادہ مناسب طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ایک ریتیلا صحرائے عظیم ہے جس میں جہاں تہاں آباد اضلاع بکھرے ہوئے ہیں۔ اسو جہ کر ان جگھوں کی آب و ہوا صرف غیر معمولی طرح کی پیاس ہی نہیں بلکہ مقابلتاً مطلع صاف ہونے کے سبب کر غیر معمولی طور پر ملک روشن بھی ہے جو ایک قابل لحاظ خصوصیت ہے اور جسم کو پژمردہ کرنیکی نادر طاقت رکھتا ہے۔ ان ممالک کے نمایاں خصوصیات ہیں۔ ہوا۔ روشنی۔ اور گرمی کی زیادتی ہے۔ یہ تاثیرات عرب میں اپنے حد کو پہونچی ہوئی ہیں جو بہر نوع ان کا اصلی وطن اور مرکز ہے اور جو خاصکر اسی قوم کی جائے پیدائش ہے

جسکا مزاج ایسے ملک کی آب وہوائے بالکل مناسب تھا اور جو بالآخر اس مغل کے رسم ورواج اور قوانین کے ساتھ تمام محدود حلقوں میں اس طرح پھیل گئی گویا کہ ایک سیلاب عظیم نے ملکوں کو غرق کردیا۔

لیکن اس خطۂ ارضی کی عورتوں کا کیا حال ہے؟ ہوائی پیوست قریب قریب ہر وقت رہنے والی گرمی۔ اور فوارۂ آفتاب کے چمکیلی پھاروں (شعاعوں) کا جیسکے نیچے جملہ موجودات ہر وقت چھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور جسکا اثر قوائے حیوانی کا جوش زن کرنا ہوتا ہے ان سب کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ وہاں عورت یورپین عورتوں کے بہ نسبت قبل از وقت نمو یافتہ اور بالغ ہونے پر مجبور ہوتی ہے لہذا قبل از وقت ہی فرسودگی اور زوال شباب ہوتا ہے۔ یہ بہت ہی اہم وجہ ہے اور فی الحقیقت رسم ورواج اسکے محکوم ہیں۔ اسی ایک خصوصیت کو لے لینے سے جو خارجی اور نمایاں بھی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آب وہوا میں چمڑے کو بڑھانے۔ خشک کرنے مرجھا دینے اور اس میں جھرّی پیدا کردینے کی بہت تیز تاثیر ہے اور یہ تیزی اس حد درجہ تک ہے کہ ہم لوگوں کے معتدل آب وہوا اور مرطوب ملک میں بالکل معلوم نہیں ہوتی۔ عورت ان شدید تاثیرات کے زیر اثر رہکر جلد بڈھی ہوجاتی ہے۔ پندرہویں برس وہ پورے طور پر جوان ہوتی ہے۔ بیسویں سال سے زوال شباب معلوم ہونے لگتا ہے اور پچیس برس کے بعد بڑھاپے کی نشانیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

مرد بھی بہ آسانی بیان شدہ سبب کہ جتنا ہم لوگوں کے یہاں مروج یا ممکن ہے اس سے بہت زیادہ کم سنی میں شادی کرلیتے ہیں۔ ہمارے یہاں کی تہذیب ان لوگوں کے یہاں کے بہ نسبت بہت زیادہ عقل پر مبنی ہے

ہمارے یہاں نوجوانوں کو اپنی آیندہ زندگی کے لئے ضروری علم کے تحصیل میں بہت وقت دینا پڑتا ہے۔ جو لوگ تحصیل علم کا بار اٹھا سکتے ہیں ان کو اٹھارویں برس تک اسکول اپنے آغوش شفقت میں رکھتا ہے اور بہتوں کو یونیورسٹی کی ڈگری کے لئے تین برس اور تحصیل علم جاری رکھنا ہوتا ہے مگر اسوقت بھی کسی کو خیال نہیں ہوتا ہے کہ شادی کا زمانہ آگیا۔ اس حد پر پہونچکر پھر بھی بہت کچھ ضرورت باقی ہے جو سوسائٹی میں حیثیت کے مطابق گذران زندگی کے لئے کفایت کرے۔ جوانوں کے ذمے شادی کرنے کی یہ دوسری ممانعت ہے۔ اسکو پہلے اپنی حیثیت کے مطابق خاندان کا خرچہ پورا کرنے کی قابلیت پیدا کرنی ہوگی ورنہ اسوقت تک انتظار لازمی ہے۔ جب تک اس میں اسکی قابلیت نہ ہو جائے۔ ان سب امورات کے لئے وقت کی ضرورت ہے مگر مشرق میں جہاں ضروریات زندگی محض گنے ہوتے ہیں اور جہاں زیادہ علم کی ضرورت نہیں آدمی کم سنی میں شادی کرسکتا ہے میں نے بیت المقدس میں مسجد عمرؓ کے شیخ کے لڑکے کو دیکھا جو اسوقت اگرچہ سولہ برس کا جوان لڑکا تھا۔ مگر دو شادیاں کرچکا تھا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ مرد کے عالم شباب ہی کو پہونچتے پہونچتے اسکی بیوی بڈھی ہونے لگتی ہے اسکا ضروری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج اسقدر فطری امر ہوگیا ہے جتنا کہ محض شادی بذات خود ہے۔ بہرکیف اب تک یہی ایسا ہی ہے۔

طلاق کی آسانیاں جو قانون اور رواج نے ان ملکوں میں پیدا کردی ہیں وہ انہیں اسباب کا نتیجہ ہیں۔ فی الحقیقت تعدد ازدواج کے عمل ہی سے

یہ یہ آسانیاں نکلی ہیں۔ تعدد ازدواج کے سبب کرجو اکثر ایک نا قابل برداشت حالت ہو جاتی ہے۔ اس سے نجات حاصل کرنے میں یہ آسانیاں مرد عورت دونوں کو مدد دیتی ہیں۔ اور ان کے عملی اثر نے شادی کو محض ایک وقتی بندوبست بنا دیا ہے۔

ہم لوگوں پر سرد و مرطوب آب و ہوا اور تاریک ملکوں میں برعکس حالتوں نے اسلئے اثر پیدا کئے۔ بڑی بات یہ ہے کہ وہاں عورتیں بہ دیر سن بلوغ کو پہونچی ہیں اور سن کے اثرات کا خوب مقابلہ کرتی ہیں۔ اس بارے میں مرد کو کوئی فضیلت نہیں ہے اور جب وہ قابل شادی ہوتی ہیں تو دس برس کی بچی نہیں ہوتیں بلکہ بیس برس کی عورتیں ہوتی ہیں۔ جو کافی علم رکھتی ہیں۔ اور اپنی مستقل مزاجی کی وجہ کر اپنے حقوق کو حاصل کرتی ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں مردوں کو ایک سے زیادہ بیوی کرنے کی ضرورت نہ معلوم ہوئی اور اگر وہ اسکی خواہش بھی کرتے تو عورتیں ان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتیں۔ تمت بالخیر

نیچر ہی نے ہم کو ایک عورت پر قانع بنا یا ہے۔ کسی مذہب نے بھی جو یورپ میں کبھی بھی اختیار کیا گیا ہو اسلئے عمل کی پاسداری سے ایسا قانون نافذ نہ لیا۔ کیونکہ یہ محض بدیہی بات تھی اور سب لوگوں کا اسی پر اجماع تھا کہ ہم لوگوں کے لئے وحدانیت ازدواج بہت ہی مناسب اور سب سے بہتر انتظام ہے۔ جزیرہ نمائے بلقان میں عرضی ازدواج کا پایا جانا بجز ان مستثناؤں کے ہے جو کسی قاعدہ کے ثبوت ہوتے ہیں۔

فرض کیجئے کہ اگر کاتب ازل نے لکھ دیا ہو کہ جزو مدنی ترقی کے جن کے ہماری دنیا ہے وسیع صحرائے عظیم کی ریتلی دنیا جو ہوائے یابس تپتا

کرنے کے نیچر کا سب سے بڑا کارخانہ ہے ایک مرتبہ پھر سمندر کی موجوں کے نیچے آجائے گی۔ تو جو ہوائیں مغرب یا جنوب مغرب سے اٹھیں گی وہ اس محدود خطۂ زمین کو مرطوب کر دیں گی اور اپنے ساتھ وہاں ایسے بادل لیجائینگی جو صرف پانی ہی نہ برسائیں گے بلکہ روشنی کی اس مقدار کو جو آجکل اسکے حصہ میں ہے بہت کم کر دیں گے۔ یہ بھی فرض کر لیجئے کہ عرب سے شام تک پھیلے ہوئے ریگستان کی حالت بھی تقریباً ایسی ہی ہو جائے گی تب مشرقی اور شمالی ہواؤں کا بھی یہی اثر ہوگا۔ لہذا اب جہاں یبوست ہے وہاں رطوبت ہو جائے گی۔ خیمہ کی زندگی کا زمانہ ختم ہو جائے گا۔ اچھے مکانوں۔ عمدہ لباسوں۔ نفیس اور لذیذ غذاؤں اور بہتر عیشوں کی ضرورت ہوگی لوگ اس قدر کم سنی میں شادی نہ کریں گے۔ عورتیں اتنی جلدی بڈہی نہ ہونگی۔ اس خطے سے تعدد ازدواج اس طرح غایب ہو جائے گا جیسے گدہے کے سر سے سینگ۔ مذہب اس طرح اصلاح پذیر ہوگا کہ وہ نئے خیالات کو جو نئی حالتوں اور ضرورتوں سے پیدا ہوں گے مان لے گا اور اس کا لحاظ کر کے مقدس قانون نافذ کرے گا۔ اسوقت تعدد ازدواج کی مذہباً ممانعت ہو جاوے گی۔　　(ماخوذ از انگریزی)

(مترجم حسن وارثی)

تصویر جاں مرگ - جو اس پرچہ مین شایع ہو رہی ہے اسکے متعلق حضرت سفیر کاکوروی کی نظم آئندہ پرچہ مین شایع ہوگی -

ڈاکٹر برمن کی بنائی ہوئی مشہور دوائیں

[illegible] جن کا ہر جگہ [illegible] استعمال [illegible]

(۱) [illegible] جن [illegible] ہے [illegible]

(۲) بنا ہوا [illegible] استعمال کیا جاتا ہے [illegible]

(۳) پورانے داد [illegible] کا [illegible] ہو گیا ہے وہ بھی اس [illegible]

دمہ کی دوا اس کا محصول ایک [illegible] شیشی [illegible] قیمت ایک شیشی ایک روپیہ چار آنہ [illegible]

مقوی گولیاں [illegible] میں طاقت دینے والی دوائیوں میں مشہور دوا [illegible] یہ گولیاں بنی ہیں [illegible]

[illegible] کو طاقت دیتی ہے [illegible] ان کی کمزوری سے [illegible]

[illegible] وغیرہ ان گولیوں سے آرام [illegible]

تین گولیوں کی شیشی قیمت ایک روپیہ ڈاک محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ

امراض مستورات کی دوا یہ ہر ایک اقسام کے مستورات کی [illegible]

[illegible] حمل کی کمزوری [illegible] وغیرہ [illegible]

اس دوا کے استعمال سے رحم کی خرابی تمام دور ہو کر جسم قوی ہوتا ہے [illegible]

بھی آزمائش کیجئے قیمت ایک شیشی ایک روپیہ [illegible] ڈاک محصول [illegible]

ان دوائیوں کی مفصل حالت [illegible] کی پوری کتاب [illegible] قیمت ملتی ہے [illegible]

ڈاکٹر ایس کے برمن

نمبر [illegible] تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

نوٹ ہمارے ایجنٹ آغا [illegible] علی کشمیری دروازہ دہلی میں ہیں

فرمائش کے ساتھ اخبار کا حوالہ ضرور دیں

(۲) [illegible] ماہ دسمبر ۱۹۱۲ء [illegible]

تمدن

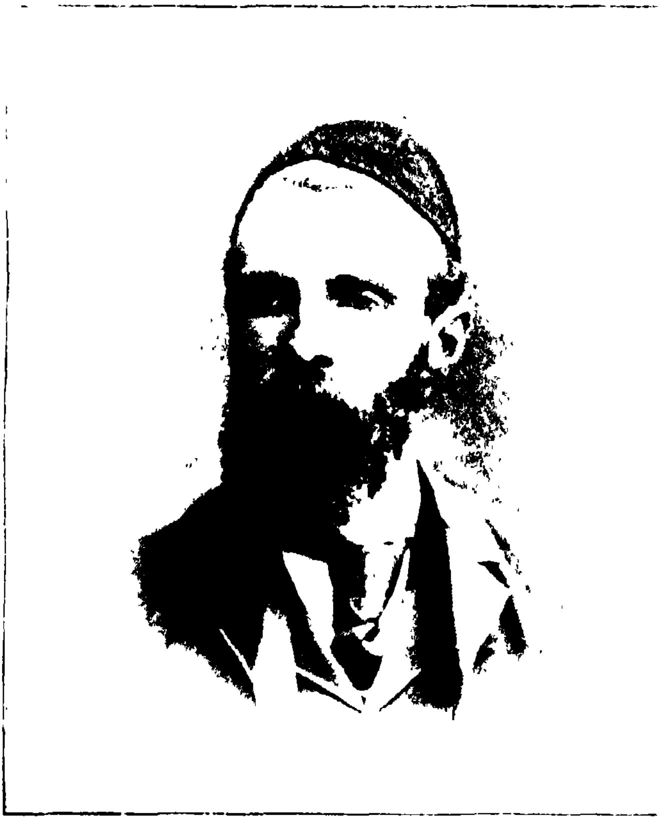
[illegible] مشرقی تمدنی ادبی فلسفی اخلاقی تاریخی اور علمی مضامین کا

[illegible]
ایڈیٹران شیخ محمد اکرام بیرسٹر ایٹ لا محمد عبد الرشید الخیری دہلوی

فہرست مضامین

باہتمام عبد الرحمٰن الخیری

[illegible] ۱۳۳۱ [illegible] دہلی میں چھپ کر شائع ہوا
قیمت فی پرچہ [illegible]
[illegible]



حضرت عبداللہ کوئلیم شیخ الاسلام انگلستان

تمدن

اُمّہاتُ الاُمّہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

از شمس العلما مولانا مولوی حافظ محمد نذیر احمد صاحب - ایل - ایل - ڈی - ڈی اوایل

باوجود سخت مذہبی مخالفت اور پرخاش کے پہلے عبدالمطلب اور عبدالمطلب کے بعد ابوطالب کی حمایت کی وجہ سے پیغمبر صاحب دشمنوں کی دست درازی سے بہت کچھ محفوظ تھے مگر وہ لوگ اس ٹوہ میں تھے کہ کسی ڈھب سے دادا اور چچا ان سے دست بردار ہو جائیں تو چٹکی بجاتے میں اس آئے دن کے جھگڑے کا تیا پانچا کر دیں یہ دل میں ٹھان اور جمع ہو کر ابوطالب پاس گئے اور ان سے جا کر کہا کہ آپ کو تو کچھ خبر نہیں ہوتی آپ کے بھتیجے نے ہم سب کا ناک میں دم کر رکھا ہے اس کو ایک نئے دین کا خبط اُچھلا ہے۔ سر بازار اور گلی کوچوں میں ہمارے مذہب کی توہین بزرگوں کی تحمیق کرتا پھرتا ہے ہم آپ کے لحاظ سے ہو کے سو

گھوٹ بیکر رہ جاتے ہیں آپ اسکو ہمارے سامنے بلاکر پوچھئے تو سہی کہ آخر یہ چاہتا کیا ہے اگر ریاست کی ہوس ہے تو ہم سب اس بھرے مجمع میں اسکو اپنا بادشاہ تسلیم کیے لیتے ہیں اگر دولت درکار ہے تو مقتا کچھ چندہ جمع کردیں کہ یہ امیر الامرا ہوجائے اگر خوبصورت عورت چاہیئے تو قریش کی عورتیں حسن میں شہرۂ آفاق ہیں جسکو پسند کرے اس کو ابھی بیاہ دیں اور اگر اس کا دل الٹ گیا ہے تو طبیب سیانے سے اس کا علاج کرائیں اور اگر کسی صورت سے راضی نہ ہو تو آپ اپنے دین آبائی کی خاطر اس پر سے اپنا ہاتھ اُٹھائیں۔ پھر ہم اس سے سمجھ لیں گے یا یہی نہ ہوگا یا ہم نہ ہوں گے۔

ابو طالب نے پیغمبر صاحب کو سب کے روبرو بلاکر کہا کہ بھتیجے! یہ سب بھلے بھلے آدمی تم سے ایک معقول درخواست کرتے ہیں تم سوچ سمجھکر ان کو جواب دو۔ پیغمبر صاحب نے چچا کے اس کہنے سے ایسا خیال کیا کہ شاید چچا مجھکو جواب دیتے ہیں یہ سمجھکر ان کو اپنی بیکسی پر رونا آیا۔ مگر کہا تو یہ کہا کہ یہ لوگ مجھکو کیا لالچ دکھاتے ہیں اگر چاند سورج کو بھی میری گود میں لا بٹھائیں میں اپنے ارادے سے باز آنے والا نہیں۔ یہ حکایت ہم نے اس غرض سے بیان کی کہ اگر پیغمبر صاحب کو بی بی کی خواہش ہوتی تو اس سے بہتر اور کون سا موقع ہوسکتا تھا مگر ان کو اس سے بحث ہی نہ تھی انکا نکاح پہلا خدیجۃ الکبرٰے سے ہوا۔ ان کی خواستگاری سے نہیں بلکہ خدیجۃ الکبرٰے نے خود پیام دیا۔ نکاح کے وقت پیغمبر صاحب کی عمر ۲۵ برس کی تھی اور خدیجۃ الکبرٰے کی ۴۰ برس کی۔ علاوہ بریں خدیجۃ الکبرٰے پیغمبر صاحب کی پہلی بی بی

تھیں اور پیغمبر صاحب خدیجہ کے تیسرے شوہر۔ ان کے پہلے شوہر ابوہالہ اور دوسرے عتیق ان کو بیوہ چھوڑ کر مر گئے تھے۔ اس حکایت سے کام کی کئی باتیں مستنبط ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ نفسانی خواہش پیغمبر صاحب کو خدیجہ سے نکاح کرنے کی محرک نہیں ہوئی ورنہ وہ اپنے سے پندرہ برس بڑی بیوہ صاحب اولاد کو نہ کرتے بلکہ خدیجہ میں چند در چند خصوصیتیں تھیں سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت ان کے مذہبی خیالات تھے۔ ان کے تفصیلی حالات پیغمبر صاحب کی دوسری بیبیوں کی طرح ان ہی کے بیان خاص میں لکھیں گے جب عنفوان شباب میں پیغمبر صاحب نے نفسانی خواہش کی پروانہ کی تو بعد کے نکاحوں میں جبکہ یوماً فیوماً عمر رو بانحطاط تھی اور اسلامی ترددات رد بازو یاد کیونکر کر سکتے تھے۔ پیغمبر صاحب کے مزاج میں حیا کی افراط بھی بدرجہ غایت تھی۔ الحیاء من الایمان[5] اور اس کی وجہ سے وہ تکثیر ناروا پرقادر ہی نہ تھے ایک دفعہ کا مذکور ہے کہ کعبہ آتش اتفاقی سے جل کر مسمار ہو گیا تھا قریش نے جمع ہو کر از سر نو اسکو بنانا شروع کیا تو ہر شخص کار ثواب سمجھ کر اس کی تعمیر میں جو جس سے بن پڑا تھا خدمت کرتا تھا یہاں تک کہ مال مسالا کندھوں پر ڈھو ڈھو کر پہونچا رہے تھے ان میں پیغمبر صاحب کے چچا عباس بھی تھے اتنے میں پیغمبر صاحب بھی آنکلے اور لگے کندھے پر پتھر ڈھونے اس وقت پیغمبر صاحب کی عمر ۱۴ برس کی رہی ہوگی اور عرب میں اتنی عمر کے لڑکے ستر عورت کا بہت کم خیال کرتے تھے عباس نے جو ان کو کندھے پر پتھر لاتے دیکھا انکا تہمد کھول گنڈلی بنا کر کندھے پر رکھ دیا کہ اسپر

[5] حیا ایمان کی ایک شاخ ہے ۱۲۔

شوہر کبھو نہیں کہتا تھا چھل جائے گی ہند کا کھولنا تھا نہ یہ مارنے جیا کے غش کھا کر گر پڑے تھے بدستور ماندہ یا تب اس کی کوشش آیا پھر آخر عمر تک یہی حال رہا کہ عورتیں بیعت کرنے آئیں تو ان کو دور ہی سے کہہ دیتے کہ جاؤ تمہاری بیعت ہوگئی غرض کسی اجنبی عورت کا ہاتھ تک نہیں چھوا۔ ہم نے اب تک پیغمبر صاحب کی تکثیر ازواج کی بابت جو کچھ لکھا پیغمبر صاحب کی طرف سے لکھا کہ ان کی مناکحت میں غرض اوّلین پاسداری اسلام ہوتی تھی اور علی سبیل التنزل غرض ثانوی کے طور پر اس میں شائبہ خواہش نفسانی کا بھی ہو تو چونکہ خواہش نفسانی فطری اور خدا داد اور بقائے نوع انسان کا سبب ظاہر ہے اور اسی وجہ سے کوئی ذی بشر اس سے بری نہیں تو پیغمبر صاحب میں اس خواہش کے ہونے سے ان کی شان پیغمبری میں کسی طرح ضعف اور فتور نہیں آتا بلکہ اس خواہش کا فقدان نقصان بشریت ہے اور پیغمبر کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ ہے یہ سبب کچھ سہی مگر نکاح سے تو زن و شو دو شخصوں کے حقوق متعلق ہوتے ہیں تو ہم کو امہات المومنین کے لحاظ سے بھی پیغمبر صاحب کے نکاحوں پر نظر کرنی چاہیے۔

عرب کے رسم و رواج نے تو عورتوں کے تمام حقوق پامال کر دیے تھے کہ عورت مرد سے کسی حق کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتی تھی مگر اسلام نے لھن مثل الذی علیھن بالمعروف سے اور تکثیر ازواج کی صورت میں عدل کی شرط سے عورتوں کو حقدار ٹھیرایا۔ دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر صاحب اپنی ازواج میں کہاں تک شرط عدل کا ایفا کرتے تھے

سب کی تمام کتابیں بالاجماع گواہی دیتی ہیں کہ پیغمبر صاحب نے امہات المومنین میں بالمساوات دن تقسیم کر رکھے تھے ہر ایک کی باری ہوتی اس کے یہاں شب باش ہوتے سفر میں کسی کو ساتھ لینا ہوتا تو قرعہ ڈالتے غرض سفر ہو یا حضر کسی حالت میں مساوات کے قاعدے کا نقض نہیں کیا حتیٰ کہ ان مرض الموت میں علیل ہوتے زینب بی بی کی باری تھی اس خیال سے کہ ام المومنین عائشہ کے گھر میں تیمارداری اچھی ہو گی اور ان کے والد ابو بکرؓ جو پیغمبر صاحب کے مشیر خاص تھے بیٹی کے گھر آمد و شد کر سکیں گے سب بیبیوں کی اجازت سے عائشہؓ کے گھر بیماری کے دن کاٹنے چلے گئے اور دوسری بات یہ ہے کہ امہات المومنین کو عام بیبیوں پر قیاس کرنا ہی ٹھیک نہیں [۵۱] یا نساء النبی لستن کاحد من النساء بے شک پیغمبر صاحب کی بیبیاں پیغمبر تو نہ تھیں اور کبھی کوئی عورت نبی نہیں ہوئی مگر مردوں میں جو شرف پیغمبر صاحب کو حاصل تھا عورتوں میں شرف ہم بستری پیغمبر کو بھی اسی کے لگ بھگ سمجھو [۵۲] الطیبت للطیبین والطیبون للطیبت دنیا کی نظروں میں [۵۳] وازواجہ امھتھم کیا کچھ تھوڑا شرف ہے جس طرح پیغمبر صاحب اسلام کے آگے کسی دنیاوی خواہش کی چنداں پروا نہیں کرتے تھے یہی حال کل امہات المومنین کا تھا کہ پیغمبر صاحب کی ہم بستری کے آگے ان کی سب خواہشیں مغلوب تھیں عورتوں کو

۵۱ پیغمبر کی بیبیو! تم عام عورتوں کی طرح تو ہو نہیں ۱۲

۵۲ پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ۱۲

۵۳ اور پیغمبر کی بیبیاں (ادب و تعظیم میں) ان کی مائیں ہیں ۱۲

نان ونفقے کی بڑی طمع ہوتی ہے تو امہات المومنین سب کی سب خوش دلی سے ساتھ فقر وفاقے میں بسر کرتی تہیں پیغمبر صاحب نے صاف لفظوں میں ان سے کہہ دیا تہا ان کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا وزینتہا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنٰت منکن اجرا عظیما ۰

روایت ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو پیغمبر صاحب نے عائشہ رضؓ کی نوعمری کی وجہ سے ان سے کہا تہا کہ دو ٹوک جواب دینے سے پہلے تم اپنے باپ سے رائے لے لینا۔ عائشہؓ نے چھوٹتے ہی کہا کہ باپ سے صلاح لینے کی کچھ ضرورت نہیں میں خدا رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں اسی سے سمجھ لو کہ امہات المومنین پیغمبر صاحب کی زوجیت کی کس قدر عظمت کرتی تہیں ام المومنین سودہ عمر سے اتری ہوئی تہیں ان کو از خود خیال ہوا کہ کہیں پیغمبر صاحب مجھکو چھوڑ نہ دیں انہوں نے خوشی رضی سے عائشہؓ کو اپنی باری دے دی اور پیغمبر صاحب سے کہا کہ مجھکو اسی قدر بس کرتا ہے کہ میں قیامت میں آپ کی بی بی کہہ کر پکاری جاؤں۔

ہم پیغمبر صاحب کو تمام لوازم ضعف بشریت کے ساتھ بشر مانتے ہیں اور وہ خود اس کے معترف ہتے ہاں جو بات تفتیش حالات سے

---

۵۱ کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کے ساز وسامان کی طلب گار ہو تو آؤ میں تمہیں (کچھ) دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور اس کے رسول اور عاقبت کے گہر کی خواہاں ہو تو تم میں سے جو نیک وکار ہیں ان کے لیے اللہ نے (بڑے) بڑے اجر تیار کر رکہے ہیں ۱۲

ہم کو ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ پیغمبر صاحب اور امہات المومنین فریقین کو نکاح میں مذہبی غرض زیادہ تر مقصود تھی پیغمبر صاحب کو اسلام کی تقویت اور امہات المومنین کو شرف ہم بستری پیغمبر۔ دنیاوی اعتبار سے بھی کیا کوئی عزت اس عزۃ کو پا سکتی ہے کہ پیغمبر صاحب کی بیویاں ادب اور تعظیم کی رو سے تمام امت کی مائیں قرار پائیں کسی اور عورت کو بھی یہ رتبہ حاصل ہوا ہے۔ عورتیں بالطبع کھانا پینا خوش حال گھر ڈھونڈھا کرتی ہیں سو پیغمبر صاحب کو تو خوش حالی ساری عمر نصیب ہی نہیں ہوئی اور ہوتی کہاں سے باپ کو تو آنکھ کھول کے دیکھا تک نہیں دادا نے یتیم پوتے کو پالا تو خیر ان کے وقت میں خدا نے تنگا۔ بھوکا۔ نہیں رکھا۔ دادا کے مرنے پیچھے چچا ابوطالب نے دست گیری کی تو وہ خود قرضدار اور کثیر العیال تھے۔ ام المومنین خدیجہ رض کے تعلق سے پیغمبر صاحب کی خوش حالی کا آغاز سمجھو تو مذہبی مخالفت کی وجہ سے قریش نے ان کو اور ان کے طرفداروں کو شعب ابی طالب میں نظربند کر دیا برادری سے خارج۔ کھانا پینا موقوف۔ لین دین بند۔ میل جول متروک۔ تو ایسی حالت میں خیالی خوش حالی کا کیا کام دے سکتی تھی۔ ہجرت کے بعد سے خیال ہو سکتا ہے کہ مدینے میں مردوں سے فتوحات ہونے لگی ہوگی تو فتوحات کا حال یہ ہے کہ زکوٰۃ کو اور صدقات کو پیغمبر صاحب نے نہ صرف اپنے اوپر بلکہ تمام بنی ہاشم پر حرام کر رکھا تھا اور ان کو لوگوں کے مال کا میل اور ان کے لینے کو ذلیل بے غیرتی فرماتے۔ ہاں غنیمت کی ایک رقم تھی جس سے خوش حالی کی توقع کی جا سکتی تھی تو عرب کا دستور تھا کہ لڑائی میں جو

لوٹ کا مال ہاتھ آتا اس کا چوتھائی فریق غالب کے سردار کا حق ہوتا تھا
اور تین چوتھائی لشکر کا۔ پیغمبر صاحب نے چوتھائی کو گھٹا کر پانچواں کر دیا۔
اور پانچویں میں ایک نادار اور صد ہمیار۔ واعلموا انما غنمتم من شیئ
فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن
السبیل۔ ایک دفعہ کا ذکور ہے کہ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ پیغمبر صاحب
کے پاس غنیمت میں کچھ لونڈیاں آئی ہیں آپ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو
جا خبر دی کہ تم شکایت کیا کرتی ہو کہ چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گٹے
پڑ گئے ہیں اور گھر کے کام کاج سے مجکو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ بچوں کی
خبر لوں۔ ایسے میں جا کر اپنے والد صاحب سے ایک لونڈی مانگ لاؤ
فاطمہ گئیں اور ان کو پیغمبر صاحب کی عادت معلوم تھی کہ وہ مہاجر
مسلمانوں کی تکلیف کے آگے اپنی اور اپنے قرابتمندوں کی تکلیف
کی پروا نہیں کرتے ہچکچاتی ہوئی پیغمبر صاحب کے پاس تشریف
لے گئیں۔ اتفاق سے اس وقت پیغمبر صاحب گھر تشریف نہیں رکھتے
تھے انہوں نے ام المومنین بی بی عائشہ سے اپنا واقعہ بیان کیا
اور چلتے وقت کہتی گئیں کہ پیغمبر صاحب کو میرا آنا اور یہ واقعہ یاد دلا دینا
پیغمبر صاحب تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے بی بی فاطمۃ الزہرا
کے آنے اور آنے کی ضرورت بیان کی۔

(باقی آئندہ)

سلہ اور (مسلمانوں) جان رکھو کہ جو چیز تم (لڑائی میں) لوٹ کر لاؤ اس کا پانچواں حصہ
خدا اور رسول کا اور (رسول کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا
اور مسافروں کا ۱۲

اسلام کی صدا

اے میرے عزیزو مری آنا خلف اولاد — فریاد ہے فریاد ہے فریاد ہے فریاد
مٹی نہ ہو اسطرح کسی قوم کی برباد — تم آنکھوں سے دیکھو میں سہوں ہائے یہ بیداد
جو کانپتے تھے نام سے میرے کبھی تھر تھر
ہیں اپنے کلیجے پہ سوار آج وہ کافر

آنکھیں تمہیں مدت سے دکھاتا تھا زمانہ — عبرت تمہیں رہ رہ کے دلاتا تھا زمانہ
روز ایک سبق تمکو پڑھاتا تھا زمانہ — عبرت تمہیں رہ رہ کے دلاتا تھا زمانہ
یہ راہ غلط تمہاری ہے۔ للہ اسے چھوڑو
لٹ جاؤگے۔ مخدوش ہے یہ راہ۔ اسے چھوڑو

کھو بیٹھے تعیش میں زر و ملک و حکومت — باقی نہیں جو میں نے سکھائی تھی اخوت
آئینۂ دل میں وہ بھی گرد کدورت — آپس ہی میں کی صرف جو کچھ رکھتے تھے قوت
داغ آہ مرے دل پہ نہ کیا کیا دیے تمنے
سو فرقے بنا کر مرے ٹکڑے کیے تم نے

مانا کہ تمہاری وہ حکومت نہیں باقی — وہ حشمت و جاہ وہ دولت نہیں باقی
اخلاص نہیں تم میں۔ اخوت نہیں باقی — کیا اس کے یہ معنی ہیں مروت نہیں باقی
تم خیر امم۔ عاشق شیدائے نبی ہو
من حیث مسلماں کے جو پہلے تھے وہی ہو

اللہ کی جانب سے یہ ایک جانچ ہے گویا — قائم رہے تم اس میں تو بس پار ہے بیڑا
ہے وقت کہ دنیا کو دکھا دو وہ تماشا — اب تک جو نہ آنکھوں نے زمانے کے تھا دیکھا

گر ہار نہ بیٹھو مرے شیدائیو تم دل
جو چاہو تمہیں چشم تمدن میں ہو وہ حاصل

اے مسلمو مر مر کے تو جینا نہیں اچھا — بہتر ہے کہ مٹ جائے یہ ہر روز کا جھگڑا
دل میں جو کھٹکتا ہے نکل جائے وہ کانٹا — یا تم نہ رہو یا نہ رہیں ملک میں اعدا
رہنا ہو جو دنیا میں تو عزت سے رہو تم
مر جاؤ پہ للّٰہ نہ ذلت سے رہو تم

منظور نہ ہو تم کو اگر ذلت و خواری — سہنا نہ ہو یورپ کی اگر دست درازی
رہنا نہ ہو دنیا میں اگر بن کے یہودی — کرنا نہ ہو کفار کی گر تم کو غلامی
حرمت کا مری پاس ہے ملت کی جو کد ہے
لو مٹھیاں کھولو کہ یہی وقت مدد ہے

اے فاتح عالم تمہیں کچھ اپنی خبر ہے — وہ حوصلہ اب کیا ہوا۔ وہ جوش کدھر ہے
گر رکھتے ہو دل سینوں میں اور دل میں اثر ہے — کچھ عظمت قومی کا نشاں تم میں اگر ہے
لایا تھا جو خون رنگ عرب اور عجم میں
تم آج دکھا دو کہ وہی خون ہے ہم میں

کچھ تم میں ہے غیرت تو دلیل اس کی بتا دو — الزام جو سر پر ہے ہمارے وہ مٹا دو
موقع ہے کہ دنیا کو کچھ اب کر کے دکھا دو — ہاں دشمن دیں پر عملاً آج جتا دو
زندہ ہیں ہم۔ اور رہنا ہے زندہ ابھی ہمکو
آساں نہیں یورپ کا مٹانا ابھی ہم کو

محمد مسلم
عظیم آبادی

درختوں کی خوراک

اکثر صحاب جنہوں نے علم نباتات کا مطالعہ نہیں کیا۔ یہ سن کر متعجب ہونگے کہ مشاہدہ کرنے سے ابتدائی حیثیت میں حیوانات اور نباتات میں بہت ہی کم فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور سرسری مقابلہ کرنے سے تو حیوانات اور نباتات میں یہ معمولی فرق بھی بدقت محسوس ہوتا ہے تاہم ان علموں کے ماہرین نے چند ایسے نکات بتا دیے ہیں جن کی مدد سے ہم حیوانی اور نباتاتی زندگی میں فوراً تمیز کر سکتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

۱- حیوان اپنی خوراک کم و بیش ٹھوس شکل میں حاصل کرتے ہیں۔ نباتات کے لیے خوراک کا رقیق ہونا ضروری ہے۔

۲- حیوان اپنی خوراک کے لیے ضروری کاربن۔ نشاستہ۔ شکر اور چربی وغیرہ ایسی چیزوں سے حاصل کرتے ہیں جو دوسرے جانوروں نے یا درختوں نے اپنے لیے فراہم کیے ہوں۔ مثلاً حیوانوں میں انسان ہی کو لو یہ اپنی کاربن گیہوں اور مختلف قسم کے اناجوں سے حاصل کرتا ہے۔ نباتات میں ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ وہ متذکرہ بالا اشیا یا تو ہوا کی کاربن ڈائی اوکسائیڈ (Carbon Dioxide) سے یا براہ راست پانی سے حاصل کرتے ہیں۔

۳- حیوانات نائٹروجن بھی کاربن کی طرح دوسروں کی تیار کردہ حاصل کرتے ہیں۔ اور فضلہ خارج کرتے ہیں لیکن درخت نائٹروجن زمین کے مختلف نمکوں سے حاصل کرتے ہیں۔ اور کسی قسم کا فضلہ خارج نہیں کرتے۔

۴ - حیوانات میں کلوروفل (Chlorophyl) جو سبز رنگ کا ایک رقیق مادہ ہوتا ہے اور درختوں کے پتوں میں موجود ہوتا ہے جس کی وجہ سے پتے اکثر سبز نظر آتے ہیں موجود نہیں ہوتا۔ لیکن درخت بغیر اس کے اپنی خوراک کسی طرح حاصل نہیں کر سکتے۔

۵ - حیوانوں میں بدن کے تمام حصے ایک دوسرے کے کام پر مبنی ہیں۔ درختوں میں یہ بات ہے تو سہی لیکن اتنی نہیں جتنی حیوانات میں وغیرہ وغیرہ۔ خیر ان پیچیدگیوں کو جانے دیجئے اب سوال یہ درپیش ہے کہ درخت اپنی خوراک کس طرح حاصل کرتے ہیں۔ درختوں کے سبز سبز پتے صرف خوبصورتی اور آپکی آنکھوں کی طراوت پہنچانے کی غرض سے نہیں پیدا کئے گئے۔ بلکہ خالق حقیقی نے جس طرح ہمارے اور دیگر حیوانوں کے ہاتھ پاؤں بنائے ہیں۔ اسی طرح پتے بھی درختوں کے ہاتھ ہیں۔ بغیر ان کے درخت کسی صورت میں اپنی خوراک حاصل نہیں کر سکتے یہ تو سب جانتے ہیں کہ جڑیں بھی خوراک حاصل کرنے کا ایک بڑا وسیلہ ہیں مگر درختوں کا اصل کھانا پتوں اور جڑوں کے مشتمل کام کرنے سے حاصل ہوتا ہے کلوروفل جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے تمام درختوں کے پتوں میں کم وبیش موجود ہوتی ہے۔ اس کا خاصہ یہ ہے کہ سورج کی گرمی کی مدد سے ہوا کی کاربن ڈائیٹا وکسائڈ کو اپنے ساتھ ملا لیتی ہے اور کاربن جذب کر کے آکسیجن نکال دیتی ہے پس پتوں کا صرف اتنا ہی کام ہے۔ جڑ زمین سے پانی کاربن۔ نائیٹروجن گندھک۔ فاسفورس کیلیشم۔ پوٹیشم۔ لوہا۔ سوڈیم لیلیکن۔ کلورین جن میں سے پہلی چھ سات چیزیں خوراک کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ یہ سب چیزیں جڑوں کے ذریعہ تنے میں اور تنے سے پتوں میں آجاتی ہیں اور کاربن کے ساتھ ملکر درخت کی خوراک بن جاتی ہیں لیکن یہ خوراک بھی اس قابل نہیں

ہوتی کہ درخت اسے ہضم کرسکے۔ اس لیے یہ تبدیل ہوکر شکر جسکو انگریزی میں Glucose کہتے ہیں بن جاتی ہے۔ اب درخت اس کو ہضم کرسکتا ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ ان تمام عناصر کا پانی میں تحلیل ہونا ضروری ہے نیز پانی تمام چیزوں سے زیادہ لازمی ہے کیونکہ یہ مرکب پانی پتوں میں پہنچنا چاہیے۔ اگر یہ تمام عناصر جن کا اوپر ذکر ہوچکا ہے پانی میں ملاکر ایک شیشے کے برتن میں رکھے جائیں اور اس میں کوئی پودا اسطرح لگایا جائے کہ اس کی جڑ گلاس میں رہے اور ہوا اندر نہ داخل ہوسکے تو پودا اچھا اُگے گا اور قائم رہے گا لیکن ابھی تک یہ بات تحقیق نہیں ہوئی کہ ان عناصر کی مقدار کیا ہونی چاہیے۔ ہاں یہ معلوم ہے کہ مختلف عناصر درخت کی نشوونما کےلیے ضروری ہیں مثلاً لوہا۔ بغیر لوہے کے کلوروفل کا پیدا ہونا محال ہے حالانکہ اگر کلوروفل کے عناصر الگ کیے جائیں تو لوہے کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ اسلیے زرخیز زمین وہی کہلاتی ہے جس میں یہ تمام عناصر مناسب مقدار میں موجود ہوں۔ اگر ایک میں بھی کمی ہوگی تو درخت کی بالیدگی میں کوئی نہ کوئی نقص ضرور لاحق ہوگا۔

اب مسئلہ یہ درپیش ہے کہ جڑ میں جذب کرنے کی قوت کس طرح پیدا ہوتی ہے اگر ہم ربڑ کے ایک تھیلے میں کھانڈ کا شربت بھرکے پانی کے ایک گلاس میں رکھکر کوئی دو تین گھنٹہ کے لیے چھوڑ دیں اور اس عرصہ کے بعد گلاس میں جو پانی ہے اسے چکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں کچھ کچھ مٹھاس آگئی۔ د تھیلے کی مٹھاس کم ہوگئی ہے۔ غرضیکہ پانی اور شربت دونوں کی مٹھاس تقریباً ایک ہوگئی ہے اسطرح اگر ایک شربت کے گلاس میں معمولی پانی بھرا ہوا ربڑ کا تھیلا رکھا جائے تو بھی یہی صورت ہوگی۔ پس بالکل یہی

حال جڑوں کا ہی جڑون کے سروں پر چھوٹے چھوٹے باریک بال ہوتے ہیں۔ جو بغیر خور دبین کے نظر نہیں آتے۔ ان بالون کے اندر ربڑ کے پھکنے کی مانند شربت تو نہیں مگر پانی جس میں تیزاب ملے ہوے ہوتے ہیں موجود رہتا ہی اور زمین کا پانی ان بالوں میں تیزابوں کی طاقت بڑہانے یا گہٹانے کیلئے جیسی بہی صورت ہو۔ داخل ہوتا ہی۔ اور اپنے ہمراہ تحلیل شدہ متذکرہ بالا عناصر جڑوں میں لے جاتا ہی۔ ہوتے ہوتے یہہ مرکب پانی جڑوں سے پتوں تک پہنچ جاتا ہے۔

یہ بہی ایک عجیب بات ہی کہ مختلف اقسام کے پودے اگر ایک ہی قطعہ زمین میں بوئے جائیں تو وہ اپنی خوراک کی ضروری چیزیں مختلف تناسب میں حاصل کر لیتے ہیں اسی اصول پر کاشتکار لوگ حساب لگا لیتے ہیں کہ کون کون سی جنسوں کے لیے کن کن عناصر کا زیادہ خرچ ہے۔ اس لیے ہر سال ایک ہی قسم کی جنس نہیں بوتے بلکہ ردوبدل کرتے رہتے ہیں۔ گو یہاں کے کسان اپنے کھیتوں میں تبدیلی تو کرتے رہتے ہیں مگر اس کی اصلی وجہ نہیں سمجھتے۔ دیگر ممالک کے لوگ اس اصول سے بہت فائدہ اٹھاتے ہیں۔

بعض درخت ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا گزارہ صرف زمین کی مدد سے نہیں ہوتا بلکہ وہ گوشت خوار ہیں۔ خداوند کریم نے ان کی وضع ایسی عجیب و غریب بنائی ہی کہ انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتی ؟ دنیا کے بعض حصون میں ایسے درخت پائے جاتے ہیں جو چہوٹے چہوٹے کیڑے مکوڑے اور مکھیاں کہاتے ہیں۔ سنا ہی بعض بڑے بڑے جانور تک ہضم کر جاتے ہیں۔ مکھیاں کہانے والے پودے ہندوستان کے جنوبی اور انگلستان کے بعض بعض حصوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے

اکثر منھ سے مٹی کے گھڑے کی مانند ہوتے ہیں اور انگلستان میں اسی نام سے موسوم (Pitcher Plant) کیا ہے یعنی گھڑے کی وضع کا پودا۔ اس گھڑے کے منہ پر ایک طرف ڈھکنا لگا ہوا ہوتا ہے۔ اندر پانی کی طرح کا ایک رقیق مادہ ہوتا ہے جس میں تیزاب کی مانند کوئی چیز ہوتی ہے۔ گھڑے کے منہ کے ذرا نیچے اندر کی طرف چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوتے ہیں جن میں سے شہد نکلتا ہے۔ بیچارے کیڑے اور مکھیاں اس شہد کی لالچ میں اس گھڑے میں گھس جاتے ہیں اور جونہی یہ اندر داخل ہوئے ایکدم ڈھکنا بند ہو جاتا ہے کیڑے یا مکھیاں تیزاب کی وجہ سے پانی میں تحلیل ہو جاتے ہیں اور درخت اس پانی کو جذب کر لیتا ہے جب اپنا شکار کھا چکتا ہے تو ڈھکنا پھر کھل جاتا ہے اور یہ شکار پکڑنے کے لیے پھر تیار ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔

یہ تمام طریقے جو بیان کیے گئے صرف ایسے درختوں کی بابت ہیں جو اپنی ساری خوراک اپنی محنت سے حاصل کرتے ہیں۔ لیکن دنیا میں بعض درخت حیوانات کی کی طرح اس تاک میں رہتے ہیں کہ کہیں سے نیا نیا مال ہاتھ لگے تو کام بنے چنانچہ شاید آپ نے دیکھا ہوگا کہ مالی جب درخت کو خشک کرنا چاہتا ہے اس درخت پر آکاس بیل کا بیج یا ایک ٹکڑا ڈال دیتا ہے۔ یہ بیل اس قسم کی ہوتی ہے کہ اپنے آپ تو نہ کسی قسم کی محنت کرتی ہے نہ مشقت جو کچھ بیچارے درخت نے اپنے کھانے کے واسطے تیار کیا ہے جھٹ خود ہضم کر لیتی ہے مثل "دکھ بھریں بی فاختہ اور کوے انڈے کھائیں"۔ اسی طرح ہوتے ہوتے جب درخت کو اپنی کمی پوری کرنے کے لیے خوراک نہیں ملتی تو رفتہ رفتہ سوکھ جاتا ہے اس قسم کے درختوں کو اپنے آپ تو محنت کرنی پڑتی ہی نہیں اس وجہ سے ان میں کلوروفل بھی نہیں ہوتا نہ پتے ہوتے ہیں۔ اور کلوروفل کی عدم موجودگی سے رنگ بھی

زرد ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے بعض درخت ایسے ہوتے ہیں کہ جن چیز کی آپ ضرورت

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا

آریا ہوں یا کہ عیسائی سبھوں کا ہی خیال
طاقت شمشیر سے اسلام پھیلایا گیا

ہم مسلمانوں کا یہ دعویٰ نہیں ہرگز نہیں
اپنی مرضی سے ہر ایک اس دین میں داخل ہوا

ہم بھی ہیں آخر مسلماں ہی ہمارا بھی خیال
زور سے تلوار کے اسلام کا ڈنکا بجا

اپنے سر پر تیغ براں سب نے جب دیکھی علم
خوف کے مارے قبول اسلام آخر کر لیا

ایسا ہماری دین آبائی نہیں تھا لوگوں پر
خنجر اسلام نے جبراً اسے چھڑوا دیا

بندھ گئی تھی دھاک ایسی بانی اسلام کی
جس کی جانب اٹھ گئیں نظریں اسکا جھک گیا

ہاں مگر تیغ تیغ آہنی ہرگز نہ تھی
خنجر اسلام ہرگز خنجر آہن نہ تھا

راستی کی تیغ تھی جو تھی مسلمانوں کے پاس
خنجر آہن نہ تھا وہ خنجر اخلاق تھا

قطعہ

خون رو رہا ہوں دیکھکے اسلامیوں کا حال
غیرت کسی میں ہے نہ حمیت کسی میں ہے

کچھ پڑگئی ہے حلقہ بگوشی کی ایسی لت
ہے اسکا اعتقاد کہ عزت اسی میں ہے

اس قوم کا ہے حال اسی عندلیب سا
اندر قفس کے بند جو اک بیبسی میں ہے

ہر سو سے دشمنان جفاخو کا ہے ہجوم
ہر شخص غرق قلزم ایذا دہی میں ہے

کل تک تھیں جس سے لاکھوں امیدیں خلوص کی
دیکھا تو آج محو وہی دشمنی میں ہے

کسطرح دوستی کا کرے کوئی اعتبار
کھٹکا سا دشمنی کا ہر اک دوستی میں ہے

کیونکر مٹا دیں امت خیر الوری کا نام
اب تو ہے یہ عیاں کہ یہی سب کے جی میں ہے

اس قوم پر ہجوم بلا دیکھ دیکھ کر
احباب کو ملال ہے دشمن خوشی میں ہے

کیا جانیں روز حشر کب آنے کو ہے مگر
محشر بپا تو آج ہی دین نبی میں ہے

پروردگار اگر ولی تھا بہ غضب ہے امت عربی کی کسی کی بات

تمنائے عمادی پھلواری عظیم آبادی

زوال عجم

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنا دید عجم را

اے سرزمین ایران! تجھے اب بھی یاد ہوگا کہ تیرے آغوش الفت میں کیسے کیسے سلاطین ذوی الاحتشام اولیائے عظام آئمہ کرام شعرائے عالیمقام وجود میں آئے۔ زمانہ سلف سے زمانہ حال تک تجھ میں کیسے کیسے انقلابات عظیم پیدا ہوئے۔ تیرے مقدس ارض پر فتح و ظفر کے کیا کیا شادیانے بجائے گئے اگر تیری حیرنیہ سطح پر کبھی سلطنت کیانیوں کا ڈنکا بجا تو ایک وقت میں ساسانیوں کا سکہ جما۔ کبھی وہ زمانہ تھا کہ ظلمت کفر کی گھٹا ہر سمت چھائی تھی یا وہ وقت آیا کہ آفتاب عالمتاب اسلام کی شعاعوں سے تیرا گوشہ گوشہ منور ہوگیا۔ ورشش کا دیائی کی جگہ اسلام کا پھریرا لہرایا۔ اللہ رے تیرا جبروت! تو جب کبھی موج میں آئی تو تیرے پروردہ آغوش بادشاہ کیخسرو نے بابل اور نینوا کی عظمت تہ خاک کی اور یونان کے سمندروں میں کھلبلی مچا دی اور بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ تیرے ہی طفل نوخیز نادرشاہ نے روس کے دارالصدر سینٹ پیٹرسبرگ کو چشم زدن میں جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔

ے آج تیرے ہی اوس باجاہ و جلال عدیم النظیر سلطنت پر یورپ کے مردم خوار جنگل کا ایک وحشی درندہ جس کا موزوں لقب خرس ہے اپنے ناپاک تہذیب و تمدن کا تمام دنیا کو عملاً ثبوت بہم پہنچانے کے لیے

یورپ سیس کا دور دورہ شروع کرتا ہے اور تیرے آغوش عاطفت سے کے
معصوم مسلمانوں سے حقوق سلب کر کے ان کے گھر لوٹتا زن و فرزند
کو تہ تیغ بیدریغ کرتا ہے اور ان کے کشتوں کے پشتے لگاتا ہے
علمائے دین کو پھانسیاں دیتا ہے مشہد مقدس پر گولہ باری کر کے
اسلامی دنیا کے جذبات کو عالمگیر صدمہ پہونچاتا ہے۔ ابھی جنگ طرابلس
الغرب سے بیچارے مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہوا بھی نہ تھا کہ اتنے
میں مراکش پر بیٹھے بٹھائے فرانس نے دست تعدی دراز کی۔ اور
تجھ پر مہذب روس نے یورش کر دی۔ مراکش و طرابلس کو گو ظالموں
نے کند چھری سے ذبح کیا لیکن ذبیحہ کو تڑپنے کی اور ہاتھ پیر مارنے
کی گنجایش مل گئی مگر اے مقتول جفا ایران! تیرے بدقسمتی سے تیرے
خونخوار نے تجھے ایسا جکڑا کہ اف نہ کر سکا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ظالم
نے تو تجھے زندہ ہی درگور کر دیا اور اس بیکسی و مایوسی کی حالت میں
ہوتے ہوئے تیرے شومی طالع کے باعث یورپ کے پیروں میں نیوٹریلٹی
کی زنجیریں بھی پڑ گئیں جس سے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا ؎

در درون قعر دریا تختہ بند کردہ
باز میگوئی کہ تر دامن مکن ہشیار باش

یورپ نے نیوٹریلٹی کا قانون بھی اچھے وقت پاس کیا ہے۔ کیا ظالم
بتساہ حال مظلوم پر ظلم کرتے ہوئے دیکھنا اور باوجود طاقت قدرت
کے گُنگی سادھ جانا اسی کے معنی انصاف کے ہیں۔ مگر ؎

وہی قاتل وہی منصف ہی وہی مخبر بھی
اقربا میرے کریں خون کا دعوی کس پر

... گریٹ یا آرمینا کا مقابلہ ہوا ورنہ ایک سے ایک بڑھ کر جنگی جہاز گولہ باری پر آمادہ
... کلکتے سے درست الٹی میٹم دینے کو طیار کھڑا تھا۔

... مقدس ایران! اب ہم کو بجائے شہیدان کربلا کے تعزیہ کا ماتم کرنے کے ... ماتم کرنا چاہیے کیونکہ جس دربار سے بزم عزا کی رونق تھی وہ دربار ہی مفقود ہوا ... بلا شہد مقدس کا حال دیکھتے ہوئے دیگر مقامات متبرکہ کا ہمارے لیے کون ... ہے کیانی و ساسانی رستم و اسفندیار کے کارنامہ شجاعت جرأت ... کی حشمت و سیاست، فردوسی و نظامی، سعدی و انوری، حافظ ... فانی جیسے شعرائے عذب البیان و عنادل رطب اللسان کی شاعری اور ... ہرشکدہ فارسی لٹریچر کے ساتھ تیری آزادی بھی چند ہی ساعت کی مہمان ... نااہلی کے زوال سے جو غضب و کرب ٹوٹ پڑا ہے اس کا ... تیرے ہی فلاکت زدہ و ستم رسیدہ باشندگان کو ہی بلکہ تمام دنیا ... تیرے ساتھ دلی ہمدردی و غمخواری ہے۔ تیری پیاری سطح پر عجمیت جس دن ... مرشد نے ڈالی اور جس کی عالیشان و بلند بنیان عمارت جمشید کے ہاتھوں ... کرتا ہان اسلام نے تکمیل کو پہنچائی ہے وہ آج کیسی بے بسی کی حالت ... جا رہی ہے۔ افسوس! صد افسوس!! خدا کی قدرت۔ تیری اس ... ساتھ ہی تیرے دیگر ابنائے جنس بھی (مراکش و طرابلس وغیرہ) ... رہے ہیں۔ ع

... ہمدمے دارم — حدیث دل بکہ گویم عجب غمے دارم

... سے ہمکو ہوگا وہ کبھی ہی ہمارے دلوں سے ... ہونے کا مرثیہ پڑھا جائیگا یہ بات ... ہوگی کہ اسلام کے خطرناک و مخدوش ہونے کا ...

اور وجوہات ہیں ان میں ایک وجہ یورپ کی غیر منصفانہ پالیسی بھی شامل ہے ۔ اس حکمت عملی سے درحقیقت تمام سلطنتہائے اسلامیہ میں ایک بھونچال سا آگیا ہے اور اسی سبب سے ان کی وہ شاندار عمارت جس کی اینٹیں اسلاف کے مقدس ہاتھوں سے جمائی گئی تھیں آج آپس میں بکھری ہیں اور اسی سے سب کی زبان پر نفسی نفسی کا لفظ جاری ہو چلا ہے کبھی ذات واحد کے قبضہ میں تھی مگر بعدہ ہماری بدقسمتی نے شخصی سلطنت کا خاتمہ کر دیا جس سے یورپ کو تیرے نظم و نسق میں بہانہ مل سکا۔ جب اس چال میں حاسد ناکام رہے تو شیعہ اور سنی میں تفرقہ ڈلوانے کی کارروائی عمل میں آئی تاکہ ترک اور ایرانیوں میں نفرت اور خصومت کی بنا پڑے مگر خدا کا شکر ہے کہ جانبین سے علماء اتحاد کے فتوے جاری کیے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں جماعتوں میں اتحاد اور ارتباط کی بنا اور بھی مستحکم ہو گئی اور حاسدوں کی حسرت بھری آرزوں کا خون ہو گیا۔ تیرے ارض پاک پارسی نے جو کچھ نشو و نما پائی وہ سب زمانہ اسلام ہی تک پائی۔ ساری لٹریری انشا پردازی اور ایشیائی تہذیب و تمدن کا سرچشمہ یہی [illegible] واقع تھا [illegible] ہندوستان کی زبانیں عموماً اور اردو شاعری [illegible] نقش قدم پر چلنے سے معراج کمال پر [illegible] سلطنت ساسانی عروج کو پہنچی [illegible] اور جب [illegible] عرب سے [illegible] شعاعوں نے تمام ظلمت کفر کو کافور کر دیا [illegible] جلیل القدر صحابہ رسول [illegible] اللہ [illegible] اپنا خون [illegible] کر دیا [illegible] ظفر [illegible] کیا۔

اے مقدس سرزمین! پھر تجھ پر خلفائے عباسیہ کا جھنڈا لہرانے لگا۔
اللہ اکبر کے موحدانہ جوش کے نعروں نے تجھ میں اسلام کے جاہ و جلال
کی دھاک بٹھادی اور حقانیت کی روح پھونکدی۔ اے ایران! ایران! اے
ایران!!! مفلوک الحال ایران!!! دنیا سے جنت ہونیوالے ایران!
تجھی کو ہمیشہ اس وصف سے آراستہ و پیراستہ پایا گیا کہ تیرے تمدنی حالات
میں کبھی کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ تیرے ہی طرز معاشرت کی تمام عالم
نے تقلید کی حتیٰ کہ اہل عرب نے بھی تیرے ہی قدم بہ قدم۔ کیا تجھ سے تمام
عالم کو عموماً اور اہل اسلام کو خصوصاً دلی ہمدردی نہ ہوگی امر ہے کہ تیری
مبارک سرزمین سے وہ وہ لوگ پیدا ہوئے ہیں جن کے کارنامے مثل مہر
عالم کے تاریخی صفحوں پر موجود اقوام عالم کے لیے شمع ہدایت کا کام دے
رہے ہیں۔ تیری پشت پر سکندر اعظم کا حملہ ایک ہوائی جھونکے کی طرح آیا اور گذر گیا
تو نے کبھی سلطنت روم کو دبایا اور شکستوں پہ شکستیں دیں اور مسیحیت کو دجلہ و فرات
تک روکا۔ ڈر ہے کہ کہیں خدانخواستہ تیرا وہی حشر نہ ہو جو سات سو برس متواتر حکومت
کرنیکے بعد اندلس کا ہوا تھا۔ کاش اب بھی تیرے ارض پاک پر کوئی شخص
ایسا ہو پیدا ہوجائے جو تیرے بکھرے ہوئے اجزا کی شیرازہ بندی کرے تجھکو
غیروں کے ناگہانی دستبرد سے بچائے اور تجھ پر خوش اسلوبی کے ساتھ
سلطنت کے کاروبار انجام دینے کے بعد مظلوم اور یتیم بچوں کو آزادی
دلوائے تو ہماری عادل گورنمنٹ کی خاموشی دیکھکر مایوس نہ ہونا۔ دیر آید درست
آید۔ اب تیری بیکسی بھی انتہا کو پہنچ چکی ہے اور قریب ہے کہ سلطنت برطانیہ اپنی مدد کا
ہاتھ بڑھائے یا رحمت الٰہی کا دریا جوش زن ہو اور پردۂ غیب سے تیرے لیے
وہ سامان مہیا ہو کہ تیری سابقہ آبرو از سر نو رجعت قہقری کرے اور کلبۂ احزان
شود روزے گلستان غم مخور کا مصداق ہو۔ ایران ما از من و از جملہ جہاں آفرین باد

جواب شکوۂ ڈاکٹر اقبال از حضرت ذوالجلال

یہ کہاں تاب کہ میں شکوۂ اقبال سنوں ضبط کرجاؤں اگر گریہ اطفال سنوں
دیکھتا خوب ہوں اسلام کا کیا حال سنوں ہو نہ معلوم اگر مجکو تو احوال سنوں
وہ مسلمان ہی اب ہیں نہ وہ اسلام رہا
ہاں بس اسلام کا باقی فقط اک نام رہا

دل میں توحید کی عزت نہ شریعت کا خیال مثل فاروق کوئی اب ہے نہ ثانی بلال
جب مسلمانوں کے اعمال کا ہو جائے یہ حال کیوں نہ ہو تیرا اقبال کو پھر اُنکے زوال
آبرو چاہو تو پابند شریعت ہو جاؤ
شوق سے راہرو کوئے طریقت ہو جاؤ

نہ وہ ملت نہ محبت نہ مروت باقی نہ وہ الطاف و کرم مہر و عنایت باقی
نور ایماں کی جھلک ہے نہ صداقت باقی نہ رفاقت نہ ریاضت نہ عبادت باقی
حُب قومی سے ہوئی تمکو عداوت جب سے
مجکو بھی ہوگئی تم لوگوں سے نفرت تب سے

جوش اسلام ہے سچا نہ شجاعت باقی اب نہ ہمت نہ خیالات کی رفعت باقی
نہ طبائع ہیں نہ وہ جود و سخاوت باقی نہ صنائع ہیں نہ وہ علم کی دولت باقی
سارے اوصاف ہی اپنے ہیں کھو بیٹھے ہو
اپنی اصلاح سے تم ہاتھ بھی دہو بیٹھے ہو

ناز اسلاف پر اپنے ہے سراسر بیجا فخر اجداد پر اپنے نہیں تم کو زیبا

چاہیئے آدمی طینت سے ہو نیک اچھا   اپنے ہی قلب میں ہو نیرِ ایماں کی ضیا

ایک ہی سا ہے کوئی اسوقت مسلماں ایسا

عہد میں سرورِ عالم کے ہر اک تھا جیسا

آتشِ رشک سے آتشکدہ سینے سب کے   صاف سینوں میں نظر آتے ہیں کینے سب کے

جوہرِ علم سے خالی ہیں خزینے سب کے   اور افعال سراسر ہیں کمینے سب کے

دعویٰ اسپر بھی وہ کرتے ہیں مسلمانی کا

انکو احساس ہی باقی نہیں نادانی کا

باپ بیٹے سے الگ باپ سے بیٹا ہے جدا   بھائی کے دل میں نہیں بھائی کی مطلق پروا

دردمندی نہیں باقی ہے دلوں میں اصلا   جب قومی ہوئی اسلام کے گلشن سے ہوا

پھر نہ کیوں بادِ مخالف سے چمن ہو ویراں

کیوں بکھر جائے نہ گلدستہ اہلِ ایراں

سب مسلمان لڑے مرتے ہیں خود ہی باہم   شیعہ سنی کا کیا کرتے ہیں ہردم ماتم

ظلم اک دوسرے پر کرتے ہیں کیسا پیہم   کچھ برادر کے نہیں غم کا برادر کو الم

روس کے دام میں پھنس جائے نہ پھر کیوں ایراں

کیوں نہ ترکی سے لڑیں جوش میں اہلِ بلقاں

ناروا عیش میں کرتے ہیں شب و روز بسر   دم بدم تازہ گنہ کرتے ہیں بےخوف و خطر

شرم دنیا کی نہ ان کو ہے نہ اللہ کا ڈر   فکرِ دنیا میں پڑے رہتے ہیں سب آٹھ پہر

دیکھتے ہی نہیں اعمال کو اپنے اصلا

کرتے یہ بندے ہیں ناحق کو خدا کا شکوہ

کفر و اسلام سے ہے ذات خدا مستغنی   احتیاج اسکو نہیں آپ ہے اللہ غنی

شکوہ ہو اور پھر اللہ کا یہ کیا معنی   بات کیا فائدہ کہنے سے جو ہو لایعنی

چاہیے بندے کو وہ دیکھ لے سارے حالات
پھر ادب سے وہ کرے اپنے خدا سے کوئی بات

اہل اسلام سے اللہ کو الفت ہے ضرور امتِ احمد مرسل سے محبت ہے ضرور
مال پر بندوں کے خالق کی عنایت ہے ضرور فرض اونپہ ہی مگر اسکی اطاعت ہے ضرور

چاہتا ہے رہے قانون شریعت جاری
ساتھ ہی ساتھ رہے شکر طریقت طاری

سارے آلام ہیں خاصان خدا ہی کیلئے خلق عشاق ہوئے مشق جفا ہی کیلئے
بندے پیدا ہوئے ہیں مہر و وفا ہی کیلئے خاص طاعت کے لیے انکی ثنا ہی کیلئے

آزماتا ہے وہ خاصانِ خدا کو اکثر
رنج و غم درد و الم فقر و مصیبت دیکر

حضرتِ نوح سے پوچھو جو پریشانی تھی کس تلاطم میں پڑی کشتی طوفانی تھی
راہ حق پر نہ چلے بندوں کی نادانی تھی سر پر انکے وہ بلا آئی جو طوفانی تھی

تھا وہ طوفاں کہ اک قہر الٰہی تھا وہ
ہستیٔ ذات خدائی کی گواہی تھا وہ

بانیٔ خانۂ کعبہ تھے خلیل اللہ کرکے قربان پسر کو نبی ہیں کی آگاہ
آگ میں کس لیے ڈالے گئے پھر وہ دیکھا نار کس وجہ سے گلزار ہوئی تھی ناگاہ

آزمایش تھی فقط ان کی خدا کو منظور
اور موسیٰ کو اسیطرح ملا جلوۂ طور

چاہ میں حضرت یوسف کو گرایا اُسنے عشق میں اُنکے زلیخا کو پھنسایا اُسنے
نجد کے دشت میں مجنوں کو پھرایا اُسنے اور لیلا کو ہی محمل میں بٹھایا اُسنے

رمز کی باتوں سے اسکے کوئی آگاہ نہیں

جانتا بھید کو اس کے کوئی واللہ نہیں

اپنے محبوب کے دانتوں کو کیا اُنّے شہید   کسقدر بات بھی تھی اُنکی محبت سے بعید

مسلمانوں کے دل میں ہے اگر درد شدید   بھید ہوگا کوئی اسمیں نہیں یہ امر جدید

مبتلائے غم معشوق ہیں جو ہیں عشاق

حسرت وصل کبھی اور کبھی رنج فراق

حق نے اعدا سے کیا کیا نہ مصیبت پائی   کربلا میں بھی کچھ ایسی ہی قیامت آئی

[illegible] تھے جہاں پانی پر اپنے پیاسے   ہائے شبیر نے آخر میں شہادت پائی

حق کی مرضی میں نہیں دخل کسی کو بھی ذرا

چاہتا ہی نہیں وہ کوئی کرے چون و چرا

[illegible] وہی خوب سمجھتا ہے حق   چاہتے الطاف کسی پر کرے وہ کیا عتاب

[illegible] کے پڑتے ہیں مار و عذاب   اور اغیار پر الطاف ہیں بیحد و حساب

مصلحت اس میں جو کچھ ہو وہ خدا ہی جانے

دل سے تم اسکو اگر مانو تو وہ بھی مانے

[illegible] بری بات سمجھ لے امت   اب بھی سمجھے تو انہاں کے [illegible] آئی رحمت

[illegible] خالق کی بڑی ہی رحمت   تھی پہ [illegible] ان سے [illegible] نعمت

جو دنیا میں ہیں اللہ کے بندے سب ہی

پرورش انکی ہی کرتا ہے ہمارا رب ہی

[illegible] اپنی مدد جو نہیں کرتا انسان   اسکا حامی نہیں ہوتا ہے خداوند جہاں

[illegible] کے [illegible] کوئی [illegible]   اسکو کرتا ہے خداوند [illegible] دوں

آپ ہی جو اپنی مدد کرنے کو تیار نہیں

[illegible] بھی پھر اس کا مددگار نہیں

شکوۂ اقبال کا ہے داد کے قابل بیشک　　حال اسلام ہے فریاد کے قابل بیشک
نام اللہ ہی ہے یاد کے قابل بیشک　　حالت امت کی ہے امداد کے قابل بیشک

ہے مگر شرط کہ پابند شریعت ہو جائے
دل سے وہ راہرو کوے طریقت ہو جائے

فضل رب کی یہ دعا ہے کہ اے رب ودود　　ساری مخلوق کا فی الاصل ہے توہی معبود
نام لیوا ہیں سبھی تیرے مسلمان و ہنود　　کعبۂ دل کا ہر اک شخص کے توہی مقصود

دل کی ہر شخص کے یارب تو مرادیں بر لا
نخل اسلام کو بھی ہوتی رہے نشو ونما

سید محمد فضل رب

یاسمین پروفیسر مرزا محمد سعید صاحب ایم - اے - مصنف خواب ہستی کا یہ لاجواب ونتیجہ خیز ناول اور تمدن ایجنسی کی پہلی کتاب جس کا عرصہ سے سب کو انتظار تھا تیار ہو گئی ہے - یہ کتاب جو درحقیقت حسن ومحبت کی زندہ تصویر ہے قابل مصنف نے خصوصیت سے نوجوان طلبا کے واسطے لکھی ہے اور مختلف مضامین پر اس قابلیت سے بحث کی ہے کہ بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے یاسمین جو اس تمام قصہ کی جان اور بنگالہ کی ایک نازنین ہے اسکی زندگی کا ہر ورق فلسفہ حیات کے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر رہا ہے - قابل مصنف کا اسم گرامی کتاب کے لاجواب ہونیکی کافی ضمانت ہے قیمت عہ　منیجر عصمت وتمدن

مسئلہ مشرقیہ

نمبر ۲

روس کی منافقت ... [illegible] ... بھی آشکارا ہوچکا تھا کہ [illegible] ... ہمیشہ [illegible] ... تعلقات [illegible] ... ایشیائی اقوام سے انکے عہد [illegible] ... بچاؤ اور دفع [illegible] ... بدولت وہ براعظم ایشیا کی [illegible] چھوٹی ریاستوں [illegible] ... کرچکا تھا اور دول کو اپنے خانگی معاملات کی [illegible] ... ان کی ہمت اڑا چکا تھا پہاں تک کہ اسکی [illegible] منطق کے تحت میں ترکی کو بھی لے آئے۔ لیکن یہ ایسا ... [illegible] ... دول کی آنکھوں کے سامنے عینک لیتا اور وہ [illegible] ... یورپ کے [illegible] ... کے ارباب بست وکشاد کے ذہن میں ان کی [illegible] ... سے ملک گیری علے روس الاشہاد موجود تھی [illegible] ... کی سرکشی اور کانگریس ویرونا سے (جس کا اصل منشا اتحاد [illegible] یورپ تھا) روس کی تحریک سے سلطان المعظم کی طرفداری پر دول کو کہنا ہوا کہ اس بغاوت کی [illegible] ... چنانچہ مسئلہ مشرقیہ کے اٹھتے ہی دول اور روس کے درمیان بحث اصول پر سخت تخالف اور تناقض آرا ہوا

دول متحد السان تھے کہ ترکی یورپ کے آراکین سریرآرائے حکومت
کا ایک جائز رکن ہے۔ روس اس کو یورپ کی ایک طاقت سمجھنا تو کجا
ایک قوم ہی نہیں سمجھتا تھا۔ [illegible] سلطان المعظم کو [illegible]
اور [illegible] کی [illegible]
لیکن [illegible]
عیسائیوں [illegible]
قسمت [illegible]
درحقیقت [illegible]
عامی [illegible] زیادہ [illegible]

اس [illegible]

[illegible]
[illegible] کی [illegible] گروہ [illegible]
[illegible] بالکل [illegible]
[illegible] شوریدہ [illegible]
مگر انہوں نے [illegible] ہاتھوں میں کھلایا اور اپنے کو ان کے
اپنے [illegible] حقوق سلطنیہ کو نہ صرف [illegible] عایا
کے [illegible] امور کی [illegible] بلکہ اپنے [illegible] تنازعات پر
بھی محض اس شرط پر کہ وہ عیسائیوں کے کیفر کردار کو [illegible]
اسی [illegible] کردیا۔ مذہبی و سیاسی معاملات کی زمام نظم و نسق گروہ
قسیسین کے ہاتھ میں دینے سے نتیجہ یہ ہوا کہ بشپ نے اپنے [illegible]
کا [illegible] قصبہ [illegible] عیسائیوں [illegible]

کے دلوں میں فاتحین کی طرف سے استکراہ و استحقار کا ملجا و ماوا بنا دیا چنانچہ انہوں نے بھی ترکوں کو اپنا حاکم نہیں سمجھا۔

امتداد زمانہ میں جانب شمال ایک ارتھوڈاکس حکومت کو آہستہ آہستہ نگر یا استقلال عروج پاتے دیکھکر انکی نگاہیں طبعاً اسکی طرف دوڑنے لگیں اور وہ اسے اپنی قومی حیات و ممات کی کلید سمجھنے اور ترکوں کے وجود سے بلحاظ قومیت و بلحاظ مذہب دونوں کو نفرت کرنے لگے جستے کہ ہم سرزمین کے الک بلا شرکت غیرے سمجھتے۔ اب علاقہ بگردش غلام ہیں [illegible] روس نے ایک طرف انکو ابھارا اور دوسری طرف انکی حفاظت جان و مال کو اپنے اختیار میں لینے کے لیے ترکوں کو دبانا شروع کیا۔ [illegible] ترک [illegible] روس [illegible] ۱۸۷۷ء میں [illegible]

عہد نامہ [illegible] معرفت [illegible] جب تک ترکوں [illegible] [illegible] خیالات [illegible] [illegible]

[illegible]

تضمین غزل ناصر علی سرہندی

[illegible] سعد اینجا [illegible] راست عید اینجا
[illegible] در و دیوار [illegible] [illegible] امید اینجا
[illegible] کلید اینجا

[illegible] مہر از [illegible] نمی تابد دل من یار [illegible] برسر نمی تابد
نوال دیگران مانند [illegible] نمی تابد گل آزادگی [illegible] برنمی تابد
[illegible] زبان [illegible] اینجا

[illegible] دل افسردہ ام [illegible] [illegible] نمیگردد
[illegible] قتلم [illegible] [illegible] نمیگردد
[illegible] قاتل [illegible] شود خون شہید اینجا

[illegible] آتش دارد [illegible] آتش دارد
[illegible] آتش دارد [illegible] آتش دارد
[illegible] سفید اینجا

[illegible] پنہانی [illegible] جوانی
کنی پامال گلہارا دل بلبل [illegible] [illegible] گل صبوحی کردہ ظالم نمیدانی
کہ زخم انتظار [illegible] یک عالم شہید اینجا

من از اول [illegible] امید [illegible] وطن دارم ہجوم یاس و غم مونس [illegible] دارم
ہزاران سوزن الماس در رگہای تن دارم [illegible] از انتظار چشم ناسورے کہ من دارم
خدنگش بر نشان ہر جا کہ آمد خون چکید اینجا

بہ عاشق تا شمیم زلف باد صبح برساند — دلش بیتاب گردد عقل او بر جا نمی ماند
نشد از سینہ آہ سرد و ہر ساعت ہمی خوانند — صبا امروز بر ما نیتے داردنمی داند
کہ مسافرار پریشاں گشت از بس دل طپید اینجا

حکایات الہای شب ہجران چہ میپرسی — غریبان وطن را از سر و سامان چہ میپرسی
ز بسمل لذت آن خنجر براں چہ میپرسی — غریبان وطن را از سر و سامان چہ میپرسی
برنگ لالہ تنہا جام می نوشد نشید اینجا

گہر از طبع من بحر یست کش پایاں نمی باشد — چو افکار م درافشاں یوسفی نیساں نمی باشد
جو در نظم کسے راہمسری آساں نمی باشد — علی ہمطرح من در عالم امکاں نمی باشد
نہال قدس بود آواز من پیدا دمید اینجا

ولہ

رباعی

افلاک بدام منقار پرور بینی — نا اہل غنی گدا ہنر ور بینی
سلطان یوسفی است ایں ثبوت بیں — دائم انگشتری بہ خنصر بینی

ح - ا - س

راحت زمانی مولوی سید احمد صاحب کی یہ بیش بہا تصنیف جو علاوہ دلچسپ ہونیکے ایک نہایت سودمند کتاب ہے مصنف نے از سر نو ترمیم کے بعد نہایت محنت سے تیار کی گئی ہے بیگمات کی زبان قلعہ معلّیٰ کے محاورے ۔ قصہ کی دلچسپی ۔ مختصر یہ کہ کتاب بغیر ختم کیے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا قیمت ایک روپیہ (عہ)

مہر افروز بیگم یہ وہ کتاب ہے جو ڈھونڈے نہیں ملتی تھی اور اب عصمت ایجنسی نے نہایت محنت سے صرف کثیر تیار کی ہے قصہ کی دلآویزی زبان کی سلاست دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قابل مصنف مولوی سید احمد صاحب کا نام ہی اسکی خوبیونکی کافی ضمانت ہے قیمت ۸؍

خلفاء راشدین کے زمانہ میں سندہ پر مسلمانوں کے حملے

سندہ - ملک اور دریا دونوں کا نام ہے - انگریزی میں دریاے سندہ کو (Indus) کہتے ہیں - قدیم سندہ کا جغرافیہ ایسا خلط مبحث ہوگیا ہے کہ اب بالکل سمجھ میں نہیں آتا - جو شہر پہلے آباد تھے انکا نام و نشان ہی نہیں - یا اگر ہے تو صرف کہنڈر - محققین آثار قدیمہ نے قدیم شہروں کے کچھہ پتے دریافت کیے ہیں - مگر ہر ایک کا بیان ایسا مختلف ہے کہ ہم کسی پر صحیح اعتبار نہیں کر سکتے - ہمارا مقصد اس مضمون میں صرف سندہ کے حملوں کا ذکر کرنا ہے لہذا ہم [1] ابن حوقل کے جغرافیہ المالک والمسالک میں سے سندہ کے تعلقات درج کر کے حملوں کا ذکر کریں گے

حدود - مشرق بحر فارس (Persian Gulf) مغرب کرمان سجستان اور اسکے متعلقات شمال ہندوستان - جنوب صحراے اعظم جو مکران اور ساحل نارس کی پہاڑیوں تک پہیلا گیا ہے

---

[1] ابن حوقل اسلام کا مشہور و معروف جغرافیہ داں گذرا ہے لیڈن (ہالینڈ) سے مطبع بریل اسکا جغرافیہ الممالک والمسالک چھاپا گیا ہے - یورپ کے مستشرقین تسلیم کرتے ہیں کہ ابن حوقل کا جغرافیہ نہایت مستند و معتبر ہے -

اس نقشہ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ سندھ کی ڈانڈا کرمان اور سجستان
سے ملی ہوئی تھی [illegible] ایران کے صوبوں سے۔

سندھ پر [illegible] جب قوم ایران میں آیا تو کرمان و سجستان
[illegible] سندھ کی ابتدا [illegible]

[illegible] عثمان [illegible]
[illegible] بڑا جابت
[illegible]
[illegible] لڑائی [illegible] واپس گئی

دوسرا حملہ

[illegible] عثمان [illegible] مقرر ہوا تھا [illegible]
اپنے بھائی مغیرہ بن ابی العاص دریا کے راستہ روانہ کی [illegible]
[illegible] بن [illegible]
[illegible] دیبل [illegible] راج گورنر تھا۔ چنانچہ ہندوؤں اور مسلمانوں
میں ایک لڑائی ہوئی اور مغیرہ کے شہید ہونے سے یہ مہم ادھوری
رہ گئی۔

تیسرا حملہ اس کے بعد حاکم عراق ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے انکو
دربار خلافت سے تاکید ہند کے تحقیقات اور راستوں کے نقشے بنانے
کا حکم صادر ہوا۔ ابو موسیٰ مغیرہ کا حال ملاحظہ فرما چکے تھے۔ انہوں نے
امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہندوستان کی بڑی مذمت
لکھی چنانچہ اس بنا پر حملات کی اس جانب روک ہو گئی۔ علاوہ ازیں
حضرت عمرؓ بذات خود بحری لڑائیاں ناپسند فرماتے تھے۔ غالباً

جناب ممدوح کے یہ مصلحت ہوگی کہ اہل عرب بحری لڑائیوں میں بہ نسبت بری لڑائیوں کے زیادہ مشاق نہ تھے۔

تیسرا حملہ بزمانہ خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بحری مہمات کی اجازت ہوئی۔ سنہ ۳۸ھ میں عبداللہ بن عامر ربیعہ کرمان فتح کرکے سیستان میں داخل ہوئے۔ اہالیان مکران نے حاکم سندھ سے امداد کی درخواست کی مگر ان دونوں لشکروں نے مسلمانوں سے شکست فاش کھائی۔ ان فتوحات سے ہمت پاکر عبداللہ نے دربار خلافت سے دریائے سندھ کے پار جانے کی اجازت طلب کی مگر حضرت عمرؓ اپنے پالیسی کے پابند رہے اور حضرتؓ نے بجائے اس مہم کے بصرہ کی جانب توجہ منعطف کی۔ اس میں یہ مصلحت تھی کہ ہندوستان و فارس کا راستہ قابو میں رہے اور خلیج فارس پر مسلمانوں کا تمامہ تسلط ہوجائے۔ اس طرح فارس کے شاہی خاندان کے فرار ہوجانے کا بھی خوف جاتا رہا۔ چنانچہ بندرگاہ بصرہ میں اب تک یورپین جہازات آتے جاتے ہیں اور ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنیکا یہ عمدہ راستہ ہے۔

چوتھا حملہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور عبداللہ بن عامر کو بصرہ کی حکومت ملی۔ ان کا ارادہ پہلے ہی سندھ پر فوج کشی کرنیکا تھا اور اب تو موقع بھی بہت اچھا تھا چنانچہ انہوں نے دربار خلافت سے اجازت منگا کر حکیم بن جبلہ عبدی کو راستوں کے تحقیقات کے واسطے روانہ کیا مگر بدقسمتی سے ان کو بہت تکلیفیں ہوئیں اور اپنی رپورٹ میں یہاں کے لوگوں کو بڑی

مذمت کی۔ چنانچہ لشکر کشی کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا

بزمانہ خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہٗ تاغر بن دعور کے ماتحت ایک مہم ہندوستان کی طرف روانہ ہوئی۔ یہ لشکر سندھ میں پہونچا اور پہلی لڑائی اس کی مکران میں ہوئی سالار لشکر حارث بن مرہ نے بڑی دلاوری و جوانمردی سے ہندوؤں کو شکست فاش دی۔ بعد ازاں اندرون ملک جہاں جہاں مسلمان گئے فتح یاب ہوئے۔ بسا اوقات بیس بیس ہزار سپاہیوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اسی زمانہ میں حضرت امیرالمومنین کی خبر شہادت آئی اور فوج مع مال غنیمت واپس گئی۔

خلافت راشدہ کے زمانہ میں اسی قدر حملے سندھ پر ہوئے۔ اسکے بعد اور خلفاے اسلام کے وقت میں مسلمان آئے اور انہوں نے یہاں حکومت قائم کی۔ مگر ہم کو اُن حملوں کا ذکر کرنا مقصود نہیں ہے۔ صرف یہ دکہانا مدنظر تہا کہ سندھ و ہندوستان پر حملہ کا آغاز ۱۵ھ سے شروع ہوگیا تھا۔

محمد شفیع الدین خاں مرادآبادی

لڑکیونکی انشاء

حامیان تعلیم نسواں کو عرصہ سے خواہش تھی کہ کوئی انشا لڑکیوں کے واسطے مولوی محمد عبدالراشد الخیری کے قلم سے نکلے لطف زبان کے واسطے کچھہ لکہنا بے سود ہے ہر خط ایسا موثر ہے کہ ایک ایک حرف کلیجہ پر گڑتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔ ناظرین عصمت و تمدن سے آٹہ آنے ۸/

مینیجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کیجئے

خواب مرگ

مریض غم سر بستر ہے بیحس و بیہوش لٹیں ہیں زلف مسلسل کی منتشر بر دوش
یہ جلوہ نگہ واپسیں ہے آفت کوش طبیب ہے سر بالیں فسردہ و خاموش
مرقع ستم مرگ نوجوانی ہے
یہ داستان الم شرح بے زبانی ہے

ستم ہے جان پہ ہے جان آفریں کیسا کہ جانگداز ہے سوز دل حزیں کیسا
یہ گرم گرم عرق ہے سر جبیں کیسا یہ سرد ہونے لگا جسم نازنیں کیسا
وداع ہوش و خرد ہے کہ جان جاتی ہے
پیام خواب عدم ہے کہ نیند آتی ہے

وفور ضعف سے ہے اک خمار کا عالم کہ ہاتھ پاؤں میں ہے انتظار کا عالم
بیاں کیا ہو دل بیقرار کا عالم دکھایا روح نے محمل سوار کا عالم
حباب آب کی صورت حیات انساں ہے
مقام عبرت و حسرت جہان گزراں ہے

گھڑی یہ پیکر خاکی سے ہے جدائی کی کہ شان روح رواں میں ہے کج ادائی کی
یہ کیسی عمر دو روزہ نے بیوفائی کی نہ چار دن بھی ملی لذت آشنائی کی
ہجوم یاس ہے سر میں غبار آنکھوں میں
ہے رنگ گردش لیل و نہار آنکھوں میں

حجاب چشم تماشا ہیں اب نظر سے دور فروغ دیدہ بینا ہے جلوہ مستور
جمال شاہد مقصود ہے برنگ برق طور علاج زخم جگر ہے یہ مرہم کافور

بوقت نزع ہے تاثیر کیف مستی کی
اجل نے دی ہے یہ تعبیر خواب ہستی کی

قفس کو توڑ کے بلبل ہے مائل پرواز چمن میں باد بہاری ہے گوش بر آواز
سنا رہی ہے خموشی مرگ پردہ ساز دکھایا روح نے موج نسیم کا انداز

سمند عمر رواں ہے رفیق پیک اجل
خیال دوری منزل ہے آج طول امل

سواد شام الم اب نہیں ہے پیش نظر کہ روبرو ہے تجلائے صبح کا منظر
زمیں سے تا بفلک نور ہے ضیا گستر جہاں سے صورت شبنم ہے روح گرم سفر

سفیر گو کہ نہیں گل میں رنگ و بو باقی
مگر ہے مہر منور میں آبرو باقی

دریں حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش است

سفیر

یاسمین۔ پروفیسر مرزا محمد سعید صاحب ایم۔اے مصنف خواب ہستی کا یہ لاجواب و نتیجہ خیز ناول اور تمدن انجمنی کی یہی کتاب جسکا عرصے ملک کو انتظار تھا تیار ہوگئی ہے۔ یہ کتاب جو درحقیقت حسن و محبت کی زندہ تصویر ہے۔ قابل مصنف نے خصوصیت سے نوجوان طلبا کے واسطے لکھی ہے اور مختلف مضامین پر اس قابلیت سے بحث کی ہے کہ بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے یاسمین جو اس تمام قصہ کی جان اور بنگالہ کی ایک مشہور نازنین ہے اسکی زندگی کا ہر ورق فلسفہ حیات کے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر رہا ہے۔ قابل مصنف کا نام کتاب کے لاجواب ہونے کی کافی ضمانت ہے قیمت عہ منیجر عصمت و تمدن

تحریر و تقریر

پروفیسر بلیکی نے ایک بے نظیر کتاب موسومہ سیلف کلچر یعنی اپنی ترقی اپنے آپ کر سکنے کے لئے لکھکر انگریزی علم ادب میں بڑا مفید اضافہ کیا ہے ایسی ہی کتابیں جن کی اردو میں ترجمہ کیے جانے کی سخت ضرورت ہے۔ مگر لوگوں کو ناولوں اور قصوں کے ترجموں ہی سے فرصت نہیں۔ دماغی اخلاقی اور جسمانی تینوں قسم کی ترقیوں کے متعلق نہایت نفیس اور کارآمد ہدایتیں کی ہیں اس وقت اسکے دو تین صفحوں کا ترجمہ جس میں مضامین نگاری اور خصوصاً عام طور پر تقریر کرنے پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ انشا اللہ تعالے آیندہ بھی سلسلہ وقت فرصت کہیں کہیں سے پیش کیا جاتا رہے گا۔

خوبصورتی اور موثر طریقہ کے ساتھ اپنے خیالات ظاہر کرنے کے ہنر کو عام طور پر یونیورسٹی کی تعلیم میں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ لہذا میں کچھ ریمارک طرز تحریر اور مجمع میں گفتگو کرنے کے قاعدہ کے متعلق لکھتا ہوں۔ انسان قدرتاً بولتا ہوا حیوان ہے اور اس قدرتی طاقت کو اچھی تعلیم کے ذریعے سے ترقی دینے کا دوسرا نام عمدہ طرز تقریر ہے جو محض قوت گویائی کی آرایش کا کام دیتا ہے۔ طرز تحریر و تقریر کو سنوارنے کا سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ عمدہ مقرروں اور اہل قلم سے کثرت کے ساتھ تبادلہ خیالات کیا جائے۔ کسی شخص کے الفاظ کے خزانہ کا زیادہ تر دارومدار اور شروع مدارج میں تو خاصکر اس کی سوسایٹی پر ہوتا ہے۔ لہذا نہایت عالی خیال

اور فصیح مضمون نگاروں کے لکھے ہوئے مضامین پڑھو ضرور ہے کہ کچھ نہ کچھ ان کی بلند خیالی کا اثر تم پر بھی پڑ جائے ہاں کسی کے انداز بیان کی غلامانہ نقل کرنے کی کوشش نکرو کیونکہ ہر شخص کے انداز بیان اور طرز تحریر میں ایک خاص بات ہوتی ہے ۔جیسا کہ اس کی شکل وصورت میں اور اس خصوصیت کو قایم رکھنا چاہیے ۔اسکے علاوہ خیالات کی بہ نسبت انداز بیان کی زیادہ فکر ہی نہ کرنی چاہیے ۔اسکا زیادہ لحاظ رکھو کہ جو کچھ کہو وہ وزندار اور با موقع ہو نہ یہ کہ جو کچھ ہو وہ بہت ہی شستہ اور خوبصورت طرز میں ہو مقدم خیال ہے اور پھر زبان ۔سقراط کا یہ کہنا کچھ معنی رکہتا ہے کہ اگر نوجوان یونانی کچھہ کہنا چاہتے ہیں تو انہیں اس کا ظاہر کرنا بھی آجائے گا یہی سینٹ پال نے کارنتھہ کے اول عیسائیوں سے کہا اور یہی مضمون "گیتی" شاعر جرمنی کے طلبا کو سمجھاتا ہے "تمہارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ جو کچھہ کہیں اہم ہو ضروری ہو با معنی ہو نہ یہ کہ الفاظ بڑے ہی وزندار مطلب کچھہ ہی نہیں اگر تمہارے خیالات عمدہ ہیں تو بلا کسی کی ہدایت کے بھی وہ خود ظاہر ہونے کا اپنے آپ رستہ ڈھونڈہ لیں گے اگر تمہاری زبان صادق طور پر تمہارے دل کی ترجمان ہے تو الفاظ کے لیے زیادہ تردد کی ضرورت نہیں" لیکن زبانوں کے خیال کے مقابلہ میں زیادہ کم وقعت سمجھنے سے تم میں اپنے خیالات کو کاغذ پر اظہار کرنے کی وہ باتیں پیدا نہیں ہو سکتیں جو ایک عمدہ انداز بیان کے لیے لازمی ہیں ۔یعنی صاف ترتیب روانی ۔اختصار لیکن بامعنی ۔اور کثرت الفاظ ۔لیکن اعلے تعلیم پائے ہوؤں کے لیے اس ملک (انگلستان) میں کم از کم اور صحیح الدماغ آدمیوں کے لیے تمام ملکوں میں میرا یہ کہنا صحیح سمجھا

جائے گا کہ تحریر کرنا تقریر کرنے کے لیے صرف زینہ ہے یعنی لکھنے سے بولنے
کے لیے راستہ صاف ہوتا ہے نہ صرف پیشہ ورمثلاً واعظ ۔ وکلا اور مدبرین
ہی بلکہ تقریباً ہر ایک آزاد ملک مین کبھی کبھی ہر شخص سے امید رکھی جا سکتی
ہے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار پبلک میں کرے اور جب تک یہ عادت
شروع ہی سے نہو آیندہ زمانہ میں ایک قسم کی روک یا مشکل سب کے
سامنے معلوم ہوگی گو یہ دقت کمزوری تعلیم یا کسی اور نقص کی وجہ سے
نہو لیکن دقت تو ہے ہی ۔ لہذا مقدم یہ ہے کہ شروع ہی میں بولنے کی
عادت ڈالو اور کاغذ پر لکھے ہوے نوٹوں کی مدد سے بولنے کی عادت
ترک کرو کیونکہ جیسا افلاطون کہتا ہے بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگوں کی
تقریروں میں بھی اس مدد لینے کی وجہ سے اس زمانہ میں وہ قدرتی زور
اور روانی نہیں ہوتی جو بالکل جاہل وحشیوں کی تقریروں میں ہوتی ہے
نوجوانوں کو اپنے خیالات کو عمدہ ترتیب میں لگانے کی اور بلا کاغذ کی
مدد کے ان پر پورا قبضہ رکھنے کی عادت ڈالنی چاہیئے ۔ ایک کاغذ کا
پرزہ جس میں چند الفاظ صرف سرخیاں نظر سے گزرانے کے لیے لکھے
ہوں ابتدا میں حافظہ کو مدد دے سکتا ہے لیکن جتنا جلدی اس مدد سے
چھٹکارا مل سکے اتنا ہی اچھا ہے ۔ مقرر کو براہ راست سامعین کے
چہرہ کی طرف دیکھنا چاہیے اور اگر وہ کاغذ پر سرسری نظر ڈالنے کے
لیے مجبور ہے تو اس سے یہ نہیں ہو سکتا ۔ اس کہنے کی ضرورت نہیں
کہ بولنے کی عادت ڈالنے کے لیے سب سے زیادہ مفید ڈبیٹنگ سوسائیٹز
یعنی مجالس مباحثہ ہیں جنہوں نے اسکاٹ لینڈ کی یونیورسٹیوں کو
بڑا فائدہ دیا ہے ۔ مشق سے تیزی و ہوشیاری پیدا ہوگی اور تیزی سے

اپنے اوپر بھروسہ کرنے کی عادت ہوگی اور اسطرح وہ کا شرم اور دلی کمزوری بھی
غائب ہو جائے گی جو نوجوانوں کو بڑا دق کرتی ہے بلکہ کچھ بولنے ہی نہیں
دیتی۔ جب وہ اوّل اوّل کسی مجمع میں تقریر کرنے کو بلائے جاتے ہیں۔
یہ بات کہ یہ شرم اور کمزوری بالکل ہی مفقود ہو اصلی ضرورت نہیں کیونکہ
ایک نوجوان میں زیادہ دلیری اور بدلگامی زیادہ قابل الزام ہیں بہ
نسبت کچھ دماغ کو پریشان کرنے والی شرم کے۔ مقرر کو اس ذمہ داری
کا بھی خیال رکھنا چاہیے جو اسکے حیثیت کے لحاظ سے سامعین کے
خیالات پر بذریعہ الفاظ کے اثر ڈالنے کے عاید ہوتی ہے لیکن مبادا
سامعین کے جذبات کا لحاظ نہ اپنے الفاظ کی قوت وغیرہ کی
طرف سے بہت متردد نہ کر دے جس سے وہ مطلب تو بھول جائے اور
الفاظ کے فکر میں پڑ جائے۔ میں مقرر کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اسٹیج پر
منبر پر اپنے مضمون پر پورے عبور کے ساتھ اور اس خیال سے جائے کہ
اپنی تقریر سے کچھ فائدہ پہنچائے گا اور الفاظ کو خدا پر چھوڑ دے۔ اسکا یہ
مطلب نہیں کہ اپنے خیالات کو صاف طور پر اور موثر طریقے سے اظہار
کرنے کے لیے کسی کو کسی عمدہ بولنے والے کی شاگردی کی ضرورت ہی
نہیں بلکہ صرف یہ کہ ایسا بولنا جو محض عام فہم ہو قدرتی ہے اور اس کے
لیے خاص فکر کی ضرورت نہیں۔ ہاں خوبصورتی و عمدگی کے ساتھ
تقریر کرنا مثل فوجی قواعد اور گانے یا ناچنے کے ایک ہنر ہے۔ جس کے
استعمال کے لیے عموماً خاص تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے فقط

محمد نصیر الحق قریشی - بی۔ اے

حقیقی تمدّن

تمدّن مَدن بالفتح سے مشتق ہے جس کے معنی ٹھہرنے اور ایک جگہ مقام کرنے یعنی رہنے سہنے کے ہیں لیکن یہ صفت تو حیوانات و حشرات میں بھی پائی جاتی ہے جو پہاڑوں کی کھوہوں اور غاروں اور بلوں میں رہتے ہیں اور پرندوں میں بھی پائی جاتی ہے جو درختوں پر بسیرا لیتے ہیں مندرجہ بالا تعریف تمدن کی مبہم جنس ہے نہ کہ محصل فصل - انسان کو مدنی الطبع اس معنی میں کہا جاتا ہے کہ اس میں قوت ممیزہ موجود ہے وہ حیوان مطلق نہیں ۔ وہ اپنے نفع نقصان تکلیف و آرام کو خوب پہچانتا ہے وہ امور معاشرت کے استیعاب اور ضروریوں اور حاجتوں کے پورا کرنے کے لیے دیگر بنی نوع کا محتاج ہے اور نہ صرف امور دنیا بلکہ امور دین میں بھی - اسی وجہ سے دنیا مزرعۃ الآخرہ قرار دی گئی ہے

مدینہ شہر کو کہتے ہیں جس کی جمع مُدن اور مَدن ہے متنبی جو عرب کا نامی گرامی شاعر اور تمام شعرا میں ممتاز ہے ۔ خود متنبی کے معنی ہی شعر میں نبی بنجانے کے ہیں اپنے ممدوح کی مدح میں لکھتا ہے ؎

نعمت فے المدن منك صلاءہ

ولفت حتے ذا الثناء لفاء

یعنی تو اپنے جود و سخا میں اسقدر عام (مشہور) ہو گیا ہے کہ تمام شہر تجھ سے (تیری شہرت) سے پر ہو گئے ہیں اور تو اپنے اوصاف کمالیہ میں اسقدر حد سے بڑھ گیا ہے کہ تیرے ثنا گر فضول گو اور بیکار ہیں ۔

تمدن کے لیے اتفاق بنی نوع ضروری ہے۔ بڑے بڑے شہروں اور

چھوٹے بڑے قصبوں ہی کے لیے تمدن مخصوص نہیں بلکہ پچاس جھونپڑیوں کے دیہات میں بھی اس کی ویسی ہی ضرورت ہے جیسی شہروں میں صرف آبادی کی کمی بیشی کا فرق ہے

علاوہ شہروں اور قصبوں میں اور مواضع کے جہاں کہیں پچاس سو دس بیس آدمی جمع ہوتے ہیں خواہ عارضی طور پر کیوں نہوں ان میں ضرور تمدن پیدا ہوجاتا ہے اور کیسے ہی اجنبی اور غیر کفو ہوں باہم یار غار اور ایک دوسرے کے مددگار بن جاتے ہیں اور اگر سب کے سب ہم قوم وہم مذہب ہوں تو باہم شیر وشکر بنکر جانفزا حلاوت پیدا ہوجاتی ہے مجمع کے لیے کوئی کچھہ کام کرتا ہے کوئی کچھہ ضروری باہمی حاجت برآریوں کو سب بانٹ لیتے ہیں جن لوگوں کو سفر میں ایسا اتفاق ہوا ہے وہ خوب واقف ہیں اور انکا تجربہ شاہد ہے۔

لیکن تمدن کے لیے ضروری نہیں کہ تمام آبادی ۔ ہمقوم ۔ ہم مذہب ہو اگر کہیں ایسا ہو تو سبحان اللہ۔ سب کے سب یک جان دو قالب ہونگے اور سوسائٹی کے فوائد وبرکات سے متمتع ہوں گے دیکھہ لو یورپ ہمقوم وہم مذہب بلکہ جملہ پولیٹیکل اور سوشیل امور میں ہم آہنگ وہمخیال ہے اور باعتبار فاتح قوم ہونے کے جو خیال وزیر اعظم کا ہے وہی ایک کان کے کہودنے والے مزدور اور ایک کوچبان اورگہسیارے کا ہے۔ ایسے ممالک گویا قدرتی طور پر تمدن کی نعمتوں سے مستفیض ہوتے ہیں اور حقیقی تمدن انہیں کے حصے میں آیا ہے۔

ٹرکی میں مختلف اقوام ومختلف مذاہب کے لوگ ہیں دیکھلو کیا کیا دشواریاں لاحق ہورہی ہیں اور ٹرکی سلطنت ترکوں کے گلے

میں گویا شستہ ولی کی جا رہی ہے - اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمسایہ سلطنتیں جو سب کی ہم قوم وہم مذہب ہیں انکا باہمی تمدن ٹرکی کو یورپ میں نہیں دیکھ سکتا ہے۔ یورپ کا تمدن دانت پیس رہا ہے کہ یہ اختلاج وخداج کہاں سے آکودا جو ہماری سوسائٹی کے لیے ایک سیاہ بدبختی ہے

تمدن کا جزو اعظم سوسائٹی کا قومی اتفاق ہے یہ بعض خوش نصیب حیوانوں اور پرندوں میں بھی پایا جاتا ہے - بھیڑوں اور بکریوں میں کیسا اتفاق ہے جدھر ایک جائے گی سب [illegible] ادھر ہی جائیں گی - بھیڑ چال ایک مشہور مثل ہے مگر بھیڑیوں میں اتفاق نہ ہوگا - کتوں میں اتفاق نہ ہوگا - ایک کتا دوسرے کتے کو [illegible] دیکھے گا [illegible] پر [illegible] - اگر اجنبی کتا کسی محلہ میں آئیگا تو محلہ کے کتے بھی [illegible] سب [illegible] کو [illegible] کہ تو میری عملداری میں کہاں آیا - اجنبی کتا دم دبا کر گرے گا مگر مجبوری کی حالت میں اپنی تیز کچلیاں اور نوکدار کیلیاں بھی باچھیں چیر چیر کر دکھاتا جائے گا کہ بچہ اپنے پاس بھی ہتھیار موجود ہیں اور تحفظ بھی بلا تا اور [illegible] ہوں - [illegible] خون کرتا جائے گا [illegible] ایک آدھ جھپٹ [illegible] کرے گا مگر دیکھکر ہی نکلے گا کہ [illegible] آیا اس کی [illegible]

[illegible]

دیکھو بندروں میں کیسا اتفاق ہے اگر جنگل میں ایک [illegible] بچے کو چھیڑیگا تو سب [illegible] خطار [illegible] [illegible] کرینگے [illegible] پر [illegible] بندر کھسوٹ کھسوٹ کر کپڑے لتے چھٹر [illegible] قابل کر دینگے -

ہیں۔ دنیا میں روزانہ لاکھوں کٹتی ہیں مگر ہر جگہ اُنکے ریوڑوں سے جنگل کے جنگل بھرے دیکھ لیجئے۔ ایک کوے پر اگر آفت آئے تو تمام کوے کائیں کائیں کرتے ہوئے منڈلائینگے اور چونچوں سے حتی الوسع بدلہ لینا چاہیں گے یہ اتفاق کی برکت ہے۔ افسوس ہے کہ ہندوستان جس میں حقیقی تمدن آج کو بھی نہیں چوپایوں اور پرندوں سے سبق نہیں لیتا۔ تمدنی امور سے مذہب کو کوئی تعلق نہیں مگر ہندوستان کے تمدن میں مذہب گھسا ہوا ہے تمدن اور اتفاق دونوں توام پیدا ہوئے ہیں تمدن ہر قسم کی حرفت وصنعت تجارت وزراعت لین دین بیع۔ ہموار باہمی ہمدردی اور اخوت ومساوات پر حاوی ہے ورنہ انسانی زندگی کے لیے دنیا جہنم ہو جائے۔ اختلاف مذاہب نے تمدن کو برباد کردیا۔ مذہبی اور قومی نفرت نے مہذبانہ بودوباش ومعاشرت پر پانی پھیردیا۔ ہندوستان میں ہر اہل مذہب کا تمدن جدا جدا ہے۔ ہندو مسلمانوں کے باہمی شقاق ونفاق کو تو رہنے دیجئے جس کو طرفین کے اخبارات بھڑکاتے رہتے ہیں کہ اپنی ہر قوم کی دوکانیں کھول لو۔ دیگر قوموں کے محتاج نہ ہو اور ان سے خرید فروخت بند کردو۔ مگر ذرا ایک شہر میں رہکر ایسا ہونا ممکن ہے۔ ہرگز نہیں چنانچہ بعض شہروں میں اسی تفرقہ اندازی کی تجویزیں کی گئیں مگر چل نہیں سکیں اور خواہ مخواہ عداوت بڑھ گئی ہے۔ مسلمانوں کے تمدن کی تباہ حالت تو نا گفتنی ہے۔ ایک گروہ کا دوسرے گروہ سے ستارا ہی نہیں ملتا۔ یہ رافضی وہ خارجی۔ یہ بدعتی وہ وہابی۔ یہ کافر وہ لہابی۔ ابھی بدعتیوں سے میل جول۔ رشتہ ناطہ کھانا پینا ترک کردو ان سے ہندو اچھے یہودی اچھے نصرانی اچھے

گویا مسلمانوں کا باہمی تمدن ایک فرمایشی دوزخ ہے جس میں خصومت و عداوت کی آگ کے پہاڑ مشتعل ہیں اور چونکہ ایک دوسرے کے نزدیک کافر ہیں۔ لہذا سبھی کافر ہیں اور کافروں کا ٹہکانا دوزخ ہے پڑ ہو۔ وَمَأوٰاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ۔ آیۃ

اب امید کیجاتی ہے کہ خداے تعالےٰ نے جو رسالہ تمدن کو ملک و قوم کی اصلاح کے لیے مبعوث کیا ہے تو یہ سب کو نفاق کی دوزخ سے نکالکر اتفاق و اتحاد کی بہشت کا دروازہ ان کے لیے کہولدے گا اور انہیں حقیقی تمدن کے طوبیٰ کا پہل کہلائے گا۔

بہشت آنجا ست کازارے نباشد　　کسے را با کسے کارے نباشد

مجدد السنۂ مشرقیہ سید احمد حسن شوکت۔ میرٹھ

عصمت۔ جس طرح یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ قوم کی ترقی کا انحصار تعلیم النسواں پر ہے۔ اسی طرح اس میں بھی کلام نہیں کہ رسالہ عصمت لڑکیوں کے واسطے ایک بیش بہا نعمت ہے جس میں خانہ داری تعلیم و تربیت۔ مذہب وغیرہ پر منتخب اہل قلم کے مضامین نکل رہے ہیں۔

عصمت۔ کواری لڑکیوں کو فرمانبردار۔ بیویاں۔ اور بیویوں کو سلیقہ شعار گھروالیاں اور سگھڑ مائیں بنانیکے واسطے ایک لاجواب چیز ہے جو بیش قیمت کاغذ اعلیٰ درجہ کی لکھائی چھپائی۔ رنگین ٹائیٹل سنہری بیل۔ اور تصویر سے مزین ہوکر ہر مہینہ دہلی سے شائع ہوتا ہے قیمت سالانہ (عہ)

منیجر عصمت و تمدن۔ دہلی۔

غزل

وہی نالہ وہی شیون وہی بیتابیاں میری
چمن والوں نے ملکر لوٹ لی طرز فغاں میری

اماں تک بھی نہیں ملتی مجھے اب خارزاروں میں
کبھی اے بلبلو جاگیر میں تھا گلستاں میری

کبھی میں بھی تھا تیری سرزمیں پر آسماں رفعت
میرا رتبہ سمجھ۔ توقیر کر اے آسماں میری

دنوں ہی میں بھلا یاد لیے مجھکو ہمصفیروں نے
گلستاں میں سمجھتا ہی نہیں کوئی زباں میری

میرا دل شمع کی مانند سوز غم سے جلتا ہے
شب ہجراں شریک رنج ہیں نا کامیاں میری

کوئی بھی تو نہیں پوچھے جو الٹا جلنے والوں سے
کیئے جاتے ہیں کیوں ٹھکرا کے تربت بے نشاں میری

تجلی گاہ برق حسن ہے داغ جگر میرا
کہاں موسیٰ جو دیکھیں آ کے طور افروزیاں میری

بیان حسرت دل میں ہے کتنا درد کا لہجہ
دہان غنچہ گل میں ہی ہے گویا زباں میری

کڑی الفت کی منزل ناتوانی آہ پابیدا
نہیں لیتا خبر غربت میں کوئی کارواں میری

چمن میں کھینچ لایا ہے۔ دل درد آشنا مجھکو
ہوئی ہے ہمصفیر نالہ بلبل فغاں میری

کہیں طول سخن سے کھل نہ جائے راز الفت کا
سمجھ لیں گے زباں بزم سخن میں نکتہ داں میری

نہو گا درد دل کا مختصر قصہ قیامت تک
کہ ارشد دفتر طومار غم ہے داستاں میری

حارث

(۴)

نئی زندگی کی پہلی رات

سلسلہ کیلئے ستمبر کا پرچہ دیکھو

سڑک پر پرنس کی بوگاڑی کھڑی تھی: چاندی کے سازسے لدے ہوئے مشکی گھوڑے اعلے درجہ کی تھار و برد - تیز و طرار - جو توقف سے اُکتا کو بیچینی کے ساتھ ٹاپیں مارتے تھے اور قضیں چبانے لگتے تھے اپنے آقا کو دیکھتے ہی سائیس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور جس وقت حارث قریب پہنچا نہایت ادب کے ساتھ جھک گیا: ہم سوار ہوئے: غالباً میں حارث کے بڑھے ہوئے اصرار پر پہلے اندر گھسا ... اور؟ ... جس وقت میں مخمل کے نرم نرم گدوں پر آرام کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھا یقین کیجئے کہ تھوڑی دیر کے مسرت افزا احساس میں ایسا ڈوبا گویا مجھے مصیبت و افلاس کی حالت چھوڑے ہوئے عرصہ دراز گزر چکا تھا! میری حالت اس وقت عجیب تھی، تقریباً دو متضاد جذبات - بیحد بڑھی ہوئی بھوک، اور بیحد دماغ پر اثر کرنیوالی خوشی - آپس میں دست و گریباں تھے، میرا دماغ چکرا رہا تھا، میرے خیالات پریشان تھے - میں ایک بے بنیاد وہمی جذبہ میں یا عجیب وغریب خواب میں تھا - کوئی چیز مجھے اصلی نظر نہیں آتی تھی، اور میری حالت قریب قریب - ویسی ہی تھی - جیسے کسی روزہ دار کی گرمی کے رمضان میں دوپہر کے وقت ہوجایا کرتی ہے! گاڑی ربر ٹائر والے پہیوں پر

نہایت تیزی کے ساتھ بغیر کسی خفیف سی آواز کے، برابر چلی جا رہی تھی، گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز ضرور آتی تھی۔ میں نے اسے خوشی کے عالم میں۔ اچھی طرح دیکھا نہ حارث کی آنکھیں۔ رات کی سیاہی میں چمکنے والی آنکھیں۔ خاص غور و توجہ کے ساتھ مجھے گھور رہی تھیں!

"کیا آپ تمام دنیا کو اپنے پاؤں میں پڑا ہوا محسوس نہیں کرتے؟" حارث نے مذاق و طنز آمیز لہجہ میں کہا "آپ کی ٹھوکر کھانے کے لیے تیار رہتے بشرطیکہ آپ کا بوٹ چڑھنے کا نہ ہو سونے کا ہو! بیہودہ احمق دنیا [illegible] کے [illegible] ہیں! جانے والی دنیا۔ آپ کے قدموں کے پاس بالکل [illegible] ہوئی ہے! اس انتظار میں پڑی ہے کہ آپ جدھر چاہیں [illegible]

میں نے [illegible] آپ [illegible] کے ساتھ عیب جوئی کرتے ہیں! مگر اس پر شک نہیں آپ کا تجربہ نہایت وسیع ہے۔

حارث: غیر معمولی زور دیکر "بے شک وسیع ہے نہایت وسیع! کیونکہ میری سلطنت ہی نہایت وسیع ہے۔

"سلطنت!" میں نے حیرت کے ساتھ پوچھا "تو کیا آپ حکمران سلاطین [illegible] ہیں؟ آپ کا خطاب محض اعزازی نہیں ہے؟"

"اعزازی خطاب: جیسا کہ آپ کے با اختیار حکمران سلاطین کا ہوتا ہے۔ کس قدر حقارت آمیز لہجہ میں اُس نے کہا "کبھی نہیں کبھی نہیں! میں ایسی [illegible] اور ظاہری حکومت کو کچھ نہیں سمجھتا: میری سلطنت دنیا کے ہر [illegible] حصے پر۔ چپے چپے پر ہے جہاں انسان دولت کا بندہ اور روپیہ کا غلام ہو! کیا اس نقطہ خیال سے میری سلطنت نہایت وسیع نہیں؟

تقریباً غیر محدود نہیں ؟"

میں "میرے خیال میں آپ سینک (Cynics) ہیں: تاہم بتعدد تو آپ بھی مانگتے ہوں گے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنکو روپیہ مول نہیں لے سکتا! مثلاً نیکی اور عزت: راستبازی اور محبت!"

"راستبازی اور عزت اگر اس دنیا میں موجود ہوں تو شاید مول نہ لیجا سکتی ہوں!" اُسنے مسکراتے ہوئے کہا "مگر میرا تجربہ تو یہی بتاتا ہے کہ میں دنیا کی چیز مول لے سکتا ہوں! ہر چیز بلا کسی استثنا کے! یہ راستبازی اور عزت جو سوسایٹی کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے۔ ایسی ذلیل و دون چیز ہے جس سے زیادہ ناقابل اعتماد کوئی اور چیز نہیں! اسکے مول لینے کے لیے ہر شخص کی حیثیت کے موافق علیٰ قدر مراتب معقول رقم صرف کیجئے اور دیکھئے کہ ہی بات بات میں اچھلنے والی راستبازی اور عزت، رشوت ستانی اور بدکاری بنجاتی ہے یا نہیں؟ حقیقی[1] عزت و راستبازی سے۔ جو

---

[1] بیشک حقیقی اور مکمل اخلاق، ہمدردی، ایثار نفس کا اعلیٰ نمونہ تمام صفات کا افضل و اکمل مجموعہ۔ انسانی صورت میں دنیا کے سامنے صرف ایک دفع آیا ہے! جسکے پرتو صحبت سے اکثر تشنہ کام علیٰ قدر مراتب سیراب ہوئے اور ہوتے رہے! اس توحید کو تکمیل کی حد تک پہنچا دینی والی ذات کا اتا پتہ تھوڑا بہت ان الفاظ میں بتایا جا سکتا ہے کہ:۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانیوالا　　　مرادیں غریبوں کی بر لانیوالا
مصیبت میں غیروں کے کام آنیوالا　　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانیوالا

غریبوں کا ملجا ضعیفوں کا ماوا سلے
یتیموں کا والی غلاموں کا مولے

تاریخ کو سامنے رکھکر غیر طرفدارانہ نظر سے ڈھونڈ ہیے کہ وہ ہی جو تمام علوم و تمام صفات کا مجموعہ ہو،

ہر لحاظ سے مکمل تھی۔ مجھے ایک دفعہ سابقہ پڑا ہے۔ صرف ایک دفعہ اسکے بعد کچھ اور صورتیں بھی نظر آئیں مگر اُسقدر اکمل و اعلےٰ! مگر یہ سب کچھ صرف ایک خاص جگہ اور خاص زمانہ میں پیش آیا تھا! جب سے آج تک میں نے تو حقیقی عزت و راستبازی کو کہیں دیکھا نہیں! یہ ایک بالکل مفقود چیز ہے قطعی عنقا!! ہاں تو آپ میرے پرنس ہونے کی اصلیت دریافت کر رہے تھے! میں واقعی پرنس ہوں: میرا خطاب محض اعزازی نہیں ہے: میں ایک ایسے پرانے خاندان سے ہوں جس سے زیادہ پرانا اور صحیح النسب ہونے کی شیخی آپ کے دنیا والوں میں سے کوئی بھی نہیں مار سکتا! فی الحال، انارکی بدنظمی، فتنہ پرداز سازشیں پولیٹیکل معاملات وغیرہ وغیرہ: یہ سب باتیں مجھے مجبور کرتی ہیں کہ میں اپنی حالت بیان کرنے میں پوری احتیاط سے کام لوں! روپیہ میرے پاس ات وگت ہے اس لیے میں ہر جگہ اسی کے اثر سے اپنا راستہ نکال لیتا ہوں! امید ہے کہ آیندہ کسی روز۔ جبکہ میں آپ ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ آپ میری حالت پوری طرح معلوم کر سکیں غالباً آپ کو معلوم ہو، میرے نام بھی کئی ہیں لیکن میں نے سب سے زیادہ سادہ نام اختیار کر لیا ہے: میرے بے تکلف دوست مجھے حارث کہکر پکارتے ہیں!"

میں "تو غالباً یہی آپ کا عقیقہ کا نام ہے: اسلامی نام۔

حارث "میرا عقیقہ وقیقہ نہیں ہوا ہے۔ نہ میرا کوئی نام اسلامی نام ہے: مجھ میں آپ کون سی بات اسلام کی دیکھتے ہیں میں مسلمان نہیں ہوں"

"واقعی؟" حیرت کے ساتھ خود بخود میری زبان سے نکلا

"واقعی۔ اور پھر واقعی!" حارث نے جواب دیا "لفظ مسلمان سے وحشانی

تکلیف ہوتی ہے" میں مسلمان سے نفرت کرتا ہوں! میں کبھی ہرگز مسلمان نہیں ہوں: اور میں ہی نہیں؛ ایک ہی نہیں ہے: آپ بھی مسلمان نہیں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ کوئی بھی نہیں ہے! اکثر اشخاص مسلمان ضرور ہیں: مسلمان کا روپ بھر کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنیکی کوشش کرتے ہیں، لیکن درپردہ ایسی حرکات کے عامل ہوتے ہیں: ایسے ایسے پاجیانہ اور شرمناک کام کرتے ہیں، جو شاید کسی مردود رانده درگاہ سے بھی نہ ہوسکیں! میرا کوئی مذہب سوائے ایک مذہب کے نہیں ہے"

میں: "وہ کیا مذہب ہے؟"

حارث: "وہ ایک نہایت گہرا اور خوفناک مذہب ہے! مگر ساتھ کے ساتھ نہایت سچا مذہب ہے! ایسا سچا مذہب جیسے نظام عالم کے احکامات ایسا صحیح جیسے بدیہات" اُسنے مسکراتے ہوئے بات ٹالی" خیر! مذہب وغیرہ کا ذکر پھر کسی وقت سہی! ہمارا ہوٹل آگیا! فی الحال ہماری گفتگو اس چیز کی نسبت ہونی چاہیئے۔ جو ہماری زندگی کا۔بلکہ بہت سے انسانوں کی زندگی کا۔مقصد اعظم ہے۔یعنی؟ ہمارے کھانے کا مزہ دار یا بے مزہ ہونا"

تاج محل ہوٹل آگیا! ہماری گاڑی شیری، اور چاندی کا ساز اور اعلےٰ درجہ کی گاڑی دیکھتے ہی ہوٹل کے دو تین چپڑاسی ننگے پانوں دوڑتے ہوئے آپہنچے! میں حارث کے ساتھ ساتھ اترا اور ساتھ ہی ساتھ چلا! وہ بغیر کسی کی پروا کیے یا کسی پر نظر ڈالے، نہایت غرور کے ساتھ سیدھا اندر پہنچا! چاروں طرف نظر ڈالی، ہوٹل کے منتظم یورپین کا سلام لیا اور خاص اپنے سردار سے باتوں میں مشغول ہوگیا! میں حارث کے ساتھ ساتھ اندر گیا تھا مگر اس سے کسیقدر

پیچھے کھڑا تھا! میں اچھی طرح دیکھ رہا تھا۔ پوری طرح محسوس کر رہا تھا کہ ہوٹل کا ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم میرے لباس کو، میرے انداز کو، مختصر آ سر سے پاؤں تک مجھکو، گھورتا تھا۔ تعجب کے ساتھ، بدتمیزی کے ساتھ، حقارت کے ساتھ گھورتا تھا! ہوٹل کا منتظم۔ حارث کے حکم پانے کے لیے ہمہ تن گوش برآواز ناقابل برداشت بے پروائی کے ساتھ میری طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا! حارث نے باتیں ختم کرتے ہی۔ میری طرف دیکھا اور میں نے اپنے قیام کے لیے پوچھا

حارث "کچھ فکر نہ کیجئے! میرا اسردار سب انتظام کردے گا! میں جانتا ہوں آپ اعلیٰ درجہ کے کمرے پسند کریں گے، اور آجکل ٹھیرنے والونکا ہجوم زیادہ ہے! مگر پھر بھی مجھے یقین ہے کہ آپ کو جگہ ضرو ملجائے گی۔ تمام اعلیٰ درجہ کے کمرے غالباً ابھی نہیں رک گئے ہونگے!"

بمبئی کے تاج محل ہوٹل میں قیام، اور اعلیٰ درجے کے کمرے لینے کا ارادہ یہ بات کچھ ایسی تھی جس کا اثر بجلی سے زیادہ تھا! ابھی یہ فقرے حارث کی زبان سے نکلے، ابھی اس گستاخ منیجر کے کان تک پہنچے کہ یکایک تمام کایا پلٹ گئی! منیجر صاحب گھبرا کر پیچھے ہٹے اور بالکل میری طرف متوجہ ہو گئے ننگے پاؤں پھرنیوالے چپراسی، بدتمیز، زر پرست، کمینہ لوگ۔ بولا کر ایک دوسرے پر گرتے ہوے، میرے سامنے راستہ چھوڑ کر ادب سے جھک گئے! آہ! روپے کا نام آتے ہی یہ تمام زر پرست جماعت بالکل اس طرح میری طرف متوجہ ہوگئی۔ میرے سامنے جھک گئی، گویا میں۔ روپے والا میں اس کا قبلہ تھا! میں اس فوری انقلاب کو، اس آن واحد میں پلٹ جانیوالی حالت کو، نہایت تعجب کے ساتھ۔ حقارت اور مسرت آمیز تعجب کے ساتھ۔ برابر جانچ رہا تھا! مجھے صاف نظر آرہا تھا کہ یہ ہوٹل کے کم حیثیت افراد، زر

پستی کے لحاظ سے۔ اعلیٰ درجہ کی سوسایٹی کا سچا خاکہ تھے! ہوبہو یہی حالت
ظاہری تکلفات اور تصنعات کو چھوڑ دیجئے۔ سوسایٹی کی ہے! اگر آپ
نادار ہیں اور آپ کا لباس بھی برا ہے تو۔ چاہے آپ مجمع کمالات و مجسم
قابلیت ہی کیوں نہ ہوں۔ سوسایٹی آپ سے پرہیز کرے گی، آپ
کو پاس نہیں پھٹکنے دیگی، آپ کو دودھ کی مکھی کی طرح نکالکر پھینکدے گی۔
لیکن؟.... لیکن.... اگر آپ کے تمول کا علم سوسایٹی کو ہے اور آپ
ذلیل سے ذلیل لباس پہنتے ہیں، تو۔ اس سے کچھہ غرض نہیں کہ آپ
اول درجہ کے بداخلاق، مکار، بدکار۔ آٹھوں گانٹھ کمیت ہوں یقین
کیجئے؛ یہ زرپرست سوسایٹی آپ کے قدم قدم پر آنکھیں بچھائے گی
آپ کی نظر نظر پر نثار ہوگی، آپ کی بات بات پر جان دے گی!
خیالات کی رو۔ خودبخود پیدا ہونے والی رو۔ میرے دماغ کی گذر
گاہ پر تیزی کے ساتھ جاری تھی۔ میں اس زرپرستی کی زندہ مثال میں
حیرت کے ساتھ ڈوبا ہوا تھا، کہ حارث نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا
میں یکایک کچھہ چونکا، آپے میں آیا، اور حارث کے ساتھ۔ جو میرے اوپر
تجسس آمیز نظر ڈالتے ہوے مسکرا رہا تھا۔ زینہ پر چڑھنے لگا۔!!
دراصل ایک یا دو کمرے نہیں، تاج محل ہوٹل کا ایک پورا کونہ حارث کے
قبضہ میں تھا! ملازموں کے کمرے اور ڈائننگ روم کے علاوہ۔ ڈرسنگ
روم۔ بڈروم۔ باتھ روم۔ اور شاندار وسیع ڈرائنگ روم! اب ہم
ڈائنگ روم (کھانیکے کمرے) میں پہنچ گئے تھے میز تیار تھی: شیشے چاندی
اور چینی کا اعلےٰ درجہ کا سامان چنا ہوا تھا، خوبصورت باسکٹ۔ خوشنما
پھولوں اور عمدہ میوؤں سے بھری ہوئی۔ میز کی زینت کو دوبالا کررہی تھیں

چند ہی منٹ میں ہم کرسیوں پر تھے؛ حارث کا سردار۔ عمائیل۔ دو تحت ملازموں کے ساتھ میز پر اپنا فرض انجام دینے میں مشغول ہو گیا! کھانا نہایت اعلیٰ درجہ کا۔ ایسا کہ لکھہ پتی اشخاص بھی خاص موقعہ پر ہی کہا سکتے ہونگے۔ شراب نہایت نفیس اور تیز۔ ایسی کہ پیر مغاں نے بھی اپنے خواب و خیال میں مشکل سے چکھی ہو! بس: چھریاں کانٹے" اور گلاس۔ مردہ بدست زندہ کے رنگ میں پلیٹوں اور بوتلوں کے ساتھ واجبی انصاف کرنے لگے اعمائیل نہایت ہوشیاری، پھرتی، اور انہماک کے ساتھ اپنا فرض انجام دے رہا تھا: اس کی ایک ایک حرکت ادب اور چستی کے بھری ہوئی تھی۔ اُسکے پانوں کی آہٹ تک بلّی کی طرح قطعی نہیں ہوتی تھی! مگر سچ پوچھئے تو بجلی کی روشنی میں مجھے اس کا چہرہ نہایت بدنما اور سیاہ نظر آتا تھا، میں نہیں کہہ سکتا کیوں؟ مگر۔کسی وجہ سے ہی میرے دل میں خواہ مخواہ اس سے ایک نفرت سی پیدا ہو گئی۔ میں اپنے اس خیال کو روکنا چاہتا تھا۔ لیکن پھر بھی خود بخود پیدا ہونیوالی نفرت۔ نفرت للّہی برابر بڑہتی جاتی تھی! ہمارے ہاتھ کھینچتے ۔۔ میز صاف کر لی گئی، اور عمائیل اعلےٰ درجہ کے سگار اور نہایت تیز کونگ ہمارے سامنے رکہکر ادب کے ساتھ جہکا اور چلا گیا۔!

حارث (سگار میری طرف بڑہاتے ہوئے) "ہاں! کیا آپ اب بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکہیں گے؟ اب بھی جبکہ آپ دولتمند ہیں"!

میں "ضرور! آپ جانتے ہیں میں روپیہ کے زور سے اپنا نام ہر جگہ مشہور کر سکتا ہوں۔ چاہے پبلک پسند کرے یا نکرے"!

حارث :- بالکل صحیح! مگر وہ قوت الہامی جو ایک طباع شخص کے دماغ سے اعلیٰ خیالات کا - یہ دوسرے لفظوں میں تصنیف کا دریا بہاتی ہے بھری تھیلی اور خالی دماغ سے پیدا نہیں ہوا کرتی -

میں :- تو کیا آپ مجھے خالی دماغ والا سمجھتے ہیں: محض ٹھوٹ دماغ"

حارث :- کبھی ہرگز نہیں! میرے عزیز دوست ابھی آپ نے اسقدر نہیں پی ہے کہ خواہ مخواہ گرم ہو جائیں! میں یقین دلاتا ہوں میں آپ کو ایک لایق "طباع" اور دراک شخص سمجھتا ہوں: میں سمجھتا ہوں آپکا دماغ اعلےٰ اور جدت بھرے خیالات سے پُر ہے! لیکن سوال تو یہ ہے کہ آیا اب بھی رہے گا یا نہیں؟ سچ یہ ہے کہ تمول اور دراکی ایک ہی جگہ ساتھ نہیں رہ سکتے! جس وقت ایک طباع اور ذکی شخص کے حصہ میں تمول آتا ہے تو بس - آب آمد و تیمم برخاست - خدا رخصت ہو جاتا ہے اور شیطان اُسکی جگہ لے لیتا ہے: کیا آپ نے یہ مقولہ نہیں سنا ہے - ؟

میں (ہنستے ہوے) نہیں کبھی نہیں -

حارث :- واقعی آج کل جبکہ خدا اور شیطان دونوں کے وجود سے دنیا کو انکار ہے - یہ مقولہ بالکل لغو معلوم ہوتا ہے! خیر - مطلب تو یہ ہے کہ تمول کا تعلق پستی سے ہے اور دراکی کا بلندی سے: اب ایک شخص نیچے کا رخ لے سکتا ہے یا اوپر کا! یہ ناممکن ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں زمین پر بھی چلے اور ہوا میں بھی اُڑے -

(باقی آیندہ)

سلطان حیدر جوش

قصرِ سنبلین

یہ تمام قصرِ سنبلین کی دنیا، انواع و اقسام کی اشیا سے لبریز ہے۔ گونا
گوں لطافتیں، ہر چہار طرف طاری ہوتی ہیں، عناصرِ اربعین کا کوئی جزو اس
محدود ... سے باہر نہیں، آفتاب کی کرنیں اس سرزمین پر روزانہ چمک چمک
... سوں زیتون کے درختوں پر، چاند اپنا سایہ ڈالے، بادل ہمارے
... وزیں، بجلی ہماری آنکھوں میں چمکے، مختلف النوع اشیا متضاد و
... ت کیفیت، جذبات و حسیات کو سہارا دیں، اور پھر سنبل اما
... ے حیات کو قصرِ سنبلیں تک محدود بتائیں، غلط، غلط، یقیناً غلط،
... نیلگوں کی وسعت تاروں کا یہ سلسلہ، نظامِ عالم کے غیر متناہی
... کا پتہ دے رہا ہے، باصرہ شہادت نہ دے، اور واقعات اس
... کو تخیل کا ایک شگوفہ خیال کریں، مگر قلب مضطرب ایک مزدہ
... س کر رہا ہے، جس سے میں خود نا آشنا ہوں، آنکھیں کسی صورت
متلاشی ہیں مگر نہ معلوم کیسی؟ سنبل اما کی محبت کیسی ہی اضطراری ہو، مگر
دل ایک ایسے ہمدرد اور سہیلی کا متمنی ہے جس کی محبت بھری نظریں
... بانہ کی، اس آگ کو بھڑکا دیں، جو آج چھ مہینے سے
... اند سلگ رہی ہے،

... اور یاسمین جیسی سہیلیاں، ہزار داستان، اور قمری جیسے
... اس درد کو رفع نہیں کر سکتے، ایک تڑپ ہے، لاعلاج، ایک
... بے نشان۔ ختم ہوا وہ وقت کہ سنبل اما کے ہاتھ تھپک تھپک کر

آنکھوں کو اپنے کام سے معطل کر دیں، آج ہوش و حواس، ان ہاتھوں کی جو یاہی ہے . . . .

ملکۂ سنبلستان، کی اکلوتی بچی۔ عنبر مو، آدھی رات کے سنسان وقت میں، اس طرح اپنے دل سے میٹھی باتیں کر رہی تھی، کہ ایک سدا بہار پھول، آکر پابوس ہوا۔ اور، شہزادی، چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی، رنگ برنگ کے پھول، جو شام ہی سے، منتظر و مشتاق تھے، ان پاؤں کو جو مہندی، اور زیور سے، بالکل غیر مانوس تھے، آنکھوں پر رکھتے بارہ دری تک لائے +

عنبر کے داخل ہوتے ہی، سہیلیوں نے مجرا کیا، طائران خوش الحان چہکنے لگے، تیتریوں نے تھرکنا شروع کیا، شمع روشن ہوگئی، نرگس و یاسمین پاؤں دبانے بیٹھیں جسٹرا و مرصع کار پلنگڑی پر گنگا جمنی پردہ پڑا ہوا تھا، پھول جن کا کام، صرف عنبر مو کے دماغ کو معطر کرنا تھا، اپنا فرض ادا کر رہے تھے، سہری پر لیٹتے ہی سو گئی سہیلیاں آہستہ آہستہ الگ ہوئیں، طائر خاموش ہوئے اور آناً فاناً سناٹا ہوگیا، تین بجے کے قریب ملکۂ سنبلستان کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا، پہرے والیاں چاق چوبند ہوئیں نرگس نے جوڑا بدلا، یاسمین بناؤ سنگار میں مصروف تھی، کہ ملکہ بارہ دری میں آئی، مور ناچنے لگے بلبل نے اپنے دلکش ترانوں سے سلامی دی، عنبر مو، بستر استراحت پر خواب ناز میں تھی، لمبے اور سیاہ بال لہرا رہے تھے اور کرد لٹوں کے پھول حسن خداداد پر رشک عش کر تے، رخصت ہو رہے تھے۔ ملکہ نے پہنچتے ہی، عنبر مو، کے رخ نازک کو، بوسہ دیا، اور قیصر سنبلستان نے

باہر نکلی، درازی عمر، اور سلامتی جان کی صدائیں، چاروں طرف سے، بلند ہو رہی تھیں، وسط چمن میں، پہونچکر، ملکہ بیٹھ گئی، اور کہا،

وفادار بیبیو! تم میری محکوم نہیں، برابر کی بہن ہو، میری غایت اصلی میری تمام کوششیں، میری ہر احتیاط صرف تمہاری، توجہ پر منحصر ہے، یہ تمہارا ہی حسن انتظام تھا، کہ آج پندرہ برس سے اس جنگل میں زندگی بسر کر رہی ہوں، اور کسی کا کھٹکا نہیں، یاد رکھو، ہمارے واسطے، دنیا میں، مرد کا وجود سم قاتل ہے، مشاہدہ اس مقولہ کی تائید، اور تجربہ اس خیال کا یقین دلا رہا ہے، حیوان ناطق، ہی پر انحصار نہیں، مطلق میں ہی، تم کو کوئی، مادہ ایسی نہ، ملے گی، جو نر کی مظالم میں گرفتار نہ ہو، یہ ہی وجہ ہے کہ قصر سنبلین کی نباتات تک میں میں نے اس امتیاز کو ملحوظ رکھا میری زندگی کا مقصد اعلیٰ یہی ہے، کہ عنبر مو، ایسی زندگی بسر کرے جس کے وہم و گمان میں بھی، مرد کا علم، نہ ہو، کل، شہزادی کی سالگرہ ہے ایسا نہ ہو کہ سال گذشتہ کی طرح، کوئی بھولا بھٹکا بھونرا پھولوں کا رس چوسنے نکل آئے۔ اس لمحہ تک عنبر مو دنیائے حیات کو قصر سنبلین پر ختم یقین کرتی ہے، وسعت دنیا، اس کے خیال میں یہی نہیں، مرد تو درکنار اس نے آج تک پرند چرند پھولوں تک، میں، نر کی صورت نہیں دیکھی یہ ہی ہماری سب سے بڑی کامیابی ہے، اور میں اس پر تم سب کو مبارکباد دیتی ہوں؛

موسم گرم تھا، دوپہر ڈھل چکی تھی، لو کی آمیزش سے ہوا پاک، تھی، مگر آفتاب سخت تھا، قصر سنبلیں، جشن سالگرہ کی تیاریاں کر رہا تھا، اور عنبر مو

گل وادی کے ایک قطعہ میں، گھاس کے تختہ پر، نہر کے کنارے، خاموش
بیٹھی تھی، گلابی مائل رخسار، صنعت حقیقی کا نمونہ تھے، چشم آہو، جس نے
کبھی مسرت یا کلفت کا نام بھی نہ سنا ہو، کسی نامعلوم شے کی متجسس اور
ترجمان تھی، ان جذبات کا جو دورہ کر ساز قلب کو چھیڑ رہے تھے،
خیالات کی رو ہر طرف جاتی، مگر تھک تھکا کر، قصر سنبلین سے ٹکرا جاتی،
ہرن، نیل گائے، بارہ سنگھے، اور لومڑیاں، لیکن سب مادہ جانور
طرف چر رہے تھے، مگر عنبر مو، اپنے خیالات میں ایسی منہمک
تھی کہ کسی چیز کا ہوش نہ تھا، ہرنیاں، پانوں میں لوٹیں، اور
چلی گئیں، پھولوں نے، جھک جھک کر، قدم چومے، اور نکل گئے،
لہروں نے محبت بھری نظریں، ڈالیں اور بہہ گئیں، پتے تالیاں
بجا بجا کر خاموش ہو گئے، ہوا جھکولے دے کر، ہار گئی، لیکن
شہزادی کو جنبش نہ ہوئی، بے فکری کا سن، شباب کے دن، سنبل کی
جان، حسن کی کان، صورت کی حور، نشۂ جوانی میں بھرپور، چشم بد دور،
نورٌ علیٰ نور تھی، چشم نرگسی، فلسفہ حسن کا پیچیدہ معمہ، حل کر رہی تھی، اور
خلا میں گڑ کر، اس کیفیت، کا پتہ دے رہی تھی، جس نے قلب [illegible]
کو اس جنگل میں، لا بٹھایا، قصر سنبلیں، کا ہر ذرہ، اپنی کوشش میں
ناکام ہوا، مگر عنبر مو، کے نازک رخسار، ڈھلتے ہوئے، آفتاب کی تیز
نگاہوں کی، برداشت، نہ کر سکے، پسینہ کے قطرے، پیشانی سے
ڈھلک کر، داہنے رخسار پر، آ سکے، یہ گوہر [illegible]
استغراق، میں خلل انداز ہوئے، وہ چونک اٹھی، اور [illegible]
اور قصر سنبلیں کی طرف چلی، چال مستانہ تھی، اور [illegible]

مگر قصر سنبلین کی ہر موجودہ شے درد محبت، سے ناآشنا تھی، قدرداں
فائدہ، مفقود، اور جذبات کا تڑپا دینے والا، احساس کوسوں دور تھا،
رنگ برنگ کے پھولوں کو روندتی، سبزۂ خوابیدہ کو مسلتی، بارہ دری پہنچی
جلوس تیار تھا، سہیلیوں نے آنکھیں بچھائیں، ملکہ نے ہاتھوں پر لیا، غسل کیا،
کپڑے بدلے، اور، چوتھی، کی دلہن، بنکر، باہر آئی، لعل بدخشانی کی
جو ... نگار رہا، اس سینہ پر تھی، عقیق و نیلم، کے ٹکڑے جڑے، پاؤں
...ہی جوڑہ، گلے میں تھا، اور، یہ حسن کی، مجسم تصویر، جسکو دیکھ کر، جنت
بھی جھوم رہے تھے، ساکت کھڑی تھی۔

... ج تڑپ تڑپ، کر رخصت ہوا، اور قمری کے نغمہ نے، قمر چہاردہم
آمد کا مژدہ دیا، آناً فاناً، قصر سنبلین کا، ہر ذرہ، جگمگا اٹھا، قمقمے
...ن ہوئے، جگنو چمکنے لگے، اور بارہ دری کے در و دیوار نے،
...کو ... زر روشن نہاد، سطح آسمان پر، قمر چہاردہم، زمین سنبلین پر عنبر مو

پڑا عکس دونوں کا جو نہر میں،
لگے لوٹنے چاند ہر لہر میں،

... اپنی پہلی منزل کا، ابتدائی حصہ، طے کر رہا تھا، کہ جلوس، حدود
...نی کیطرف روانہ ہوا باوجود، اس تزک و احتشام کے جو، انسانی وہم،
...ں بھی مشکل سے، آسکتا ہے، عنبر مو کے چہرہ سے، خوشی کے آثار نمایاں
...تی، وہ خاموش تھی متردد تھی، فطرتی امنگیں، اسکو ستا رہی تھیں،
... وہ نہیں جانتی تھی کہ، یہ کیا کیفیت ہے، وہ علاج ڈھونڈھ رہی تھی
... دکا، جو اس خوشی میں، رخنہ انداز تھا، قصر سنبلین کی،
... اس کی آنکھوں پر پردے، ڈالدیئے تھے، اور یہ پہلا روز تھا

کہ ملکہ سنبلستان، کالاناگ، زمانہ کی گھاگ، بٹی کی طرف سے، منتخب ہوئی، سمجھ گئی، پہچان گئی، اور تاڑ گئی کہ، جوانی، کوئی رنگ پھیلا رہی ہے،

ایک ایسے دریا، کے کنارے، جسکی موجیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں، جس کے عربی، کنارے پر سینکڑوں، جوگی بھبوت ملے، دھونی رمائے، اور آسن جمائے، بیٹھے تھے، جہاں ہر طرف، جھونپڑیوں کی قطار پھیلی، ہوئی تھی، اس جگہ، قدرت، کی گلکاریاں، سنئے سنئے، روپ میں صانع حقیقی، کو پیش، کر رہی تھیں، جہاں کی کتاب کا ہر ورق، اور اردگرد، کی، ہر جڑی بوٹی، معرفت کا دفتر، اور موہن کی مورتی تھی، جسمیں تن، ایک نوعمر، جوان، عالم تنہائی میں، اس مسئلہ پر، غور کر رہا تھا،

"اگر دنیائے حیات میں عورت کا وجود نہ ہوتا"

گو بقار تعلقات، اسکی رائے میں، آہنی زنجیریں، اور عورت کی محبت، مصائب کا پیش خیمہ تھی، اور یہی تھا وہ خیال، جس سنے، اسمیں تن سے، جنگلوں میں خاک چھنوائی، مگر جب وہ ان واقعات پر، نظر ڈالتا، جو آج سے دس برس پہلے، پیش نظر تھے، اور، اس وقت پر غور، کرتا، یاد کرتا، کہ کس طرح، ایک انسانی جوڑا متفق ہوکر، دنیا کی کشمکش، کو، زندگی کی تکالیف کو، دھکیل رہا ہے اور مل جل کر حیات ناپائدار، کو، پر لطف، بنانے کی کوشش میں مصروف ہے، جب وہ سماں، یاد کرتا، ایک مرد افکار معیشت افکار تعلقات، سے گھبرا ہوا دماغ لیکر، دن بھر کا تھکا ماندہ، گھر واپس آیا ہے اور، ایک گھر کی، بیٹھنے والی، پردہ نشین عورت سنے، محض اپنی، مسکراہٹ سے، اس کا پژمردہ دل، ہرا کر دیا - اور، شکایت و محبت، دونو پہلو

سیئے الفاظ، تھپک تھپک کر، افسردہ خیالات میں، فرحت کی تہ، بچھا دی تو، اس کے یقین میں تذبذب ہوتا، گھبرا جاتا، پریشان ہوجاتا، عالم خیال اسکے سامنے ایک ایسی تصویر، کھڑی کر دیتا، جس میں دلربائی کی پوری شان، موجود ہوتی، اور جس کا حسن دلفریب، جس کی رسیلی باتیں، جس کی دلداری، وغمخواری اس جنگل میں منگل کر دیتی، تخیل کا یہ ہیولیٰ، اسکی مستقل رائے پر، بجلی کی طرح گرتا، اور وہ اپنے اس خیال سے، کوسوں دور، ہٹ جاتا، کہ عورت نہ ہوتی، تو مرد کی زندگی، دنیائے حیات میں، زیادہ پُرلطف ہوتی،

دِن ڈھل چکا تھا، اور، آفتاب، غروب ہونے کی تیاری میں مصروف تھا، قدیم شعاعیں، تند وتیز موجوں کو، جھلملا رہی تھیں اور سیمیں تن، قدرت کے، اس معمولی، کرشمہ کی، بہار، دیکھ رہا تھا، پیپل کا ایک گھندار درخت، سر پر چھایا ہوا تھا، ایک غیر معمولی آواز نے، جو اس درخت سے نکلی، سیمیں تن کو اپنی طرف، متوجہ کیا، اور، اس نے - سر اوٹھا کر دیکھا، تو ایک، گھونسلا تھا جس میں مینا کے دو بچے، بھوک سے، بیتاب ہوکر، چلا رہے تھے، سیمین تن جو رحم کا مجسم، پتلا تھا، ان بے زبانوں کی، گریہ وزاری، نہ دیکھ سکا، سوچ رہا تھا کہ کس طرح، ان بچوں کے، کام آؤں، کہ دن بھر کے تھکے ہارے، ماباپ، آشیانہ کو واپس آئے، جس بیتابی سے یہ جوڑا بچو نپر، ٹوٹا ہے، وہ دل پر اثر کرنے والا تھا، فرائض منصبی، یا بچوں کی خدمت کے بعد، نر وماده ایک شاخ پر آ بیٹھے، بسیرے کا وقت، قریب تھا، اور یہ دونو، اوڑھنے والے میاں بیوی، سچی محبت، کے مزے

نوٹ رہے تھے لیکن معیشت اور افکار، تعلقات سے ان کے دماغ پاک تھے، مادہ نر سے لپٹی ہوئی، اپنی، آزادی، اور انبساط کا، اظہار کر رہی تھی، دفعتہً نر نے اپنا منہ، مادہ کے سیاہی مائل، زرد پروں میں رکھ دیا، اور دونو میاں بیوی، گھونسلے میں گھس گئے،

یہ ایسا موثر واقعہ تھا، جس نے سیمیں تن، کے خیالات، بالکل بدل دیئے اور وہ بآواز بلند، یہ کہتا ہوا آگے بڑھا،

عورت کا وجود دنیائے حیات میں مرد کے واسطے ضروری اور ربانی غنیمت ہے" مختلف خیالات کی رو سیمیں تن کے دماغ میں تھی، جنگل بیابان اس کے سامنے، چلتے چلتے وہ ایسے مقام، پر پہونچا، جو چار دیواری سے، محدود، مگر روشنی سے بقعہ نور تھا، ادھر، ادھر، نظر دوڑا کر، ایک دروازہ، دکھائی دیا، بیتابانہ اندر داخل ہوا،

قصر سنبلین، کا جلوس، قریب پہونچ چکا تھا، عنبر مو، سے چار آنکھیں ہوئیں، ایک بجلی تھی، جس نے فریقین، کے خرمن صبر کو، جلا کر خاک کر دیا،

(باقی آیندہ)

راشد الخیری۔

خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر ہونی چاہیئے ورنہ جواب میں تاخیر ہونے کا اندیشہ ہے "مینیجر"

شانِ وداع

یا

باڑہ سے رخصت

اس مختصر نظم کو میں اپنے شفیق مکرم جناب حکیم مولوی ابو عثمان خالد صاحب متعلم فرسٹ ایر کلاس
(کے نام سے معنون کرتا ہوں)

ساقی ابرِ بہار آیا   پلٹ گئی ہے جہاں کی کایا   رخصتِ عمرِ گل ہے نزدیک   رخصتِ جامِ مُل ہے نزدیک
موسمِ بہار جا رہی ہے   بزمِ طرب بگڑ رہی ہے   آخری دور ہے ساقی   واعظ کل ہی سے ہے تقاضا
جامِ ولا پلا چکا ہے   اللہ کا مزا چکھا چکا ہے   بندۂ حسن بنا چکا ہے   دلکو مرے لبھا چکا ہے
صدقے تیرے وہ جام نیا   وقت پڑا ہے کاہ دنیا   دل میں مرے ہے رنج و کلفت   بس اب ہوگا تجھے رخصت
دل میں مرے ہے تجلی،   داد و دہش کی تیری ساقی

فانوسِ خیال کوئی دیکھے   کتنے تڑپ رہے ہیں جگنو   یاد ہے وہ کنارِ گنگا   یاد ہے وہ بہارِ گنگا
ڈوب مرا وہ شاہِ خاور   اوڑھی فلک نے سیاہ چادر   نکلے تارے اس میں جھم جھم   فلک کے تارے ہیں جھما جھم
آہ فلک کی بیوفائی   آہ فلک یہ کج ادائی،   ماتمِ شاہِ حسن دیکھا   یہ ہے اودی رنگ جلسہ کا
آہ یہ رنگ میں بھنگ دیکھو   آتا ہے جلترنگ دیکھو   فلک کی آئی وہ رقاصہ   کیسی گوری ناری زہرہ
بدرِ جہاں کا ساغر دیکھا   پردۂ ابر میں اکثر دیکھا   دور میں تھا وہ ساغرِ عشرت   ابر پہ تھا وہ اخترِ عبرت
اہلِ جہاں سے کوش کرنا   چھلکے ہی چھلکے ساغر ساغر   یہی آواز تھی دور سے آتی   رات کی سائیں سائیں تھی
نشہ میں وہ سب چور ہوئے جب   حد سے بڑھے مخمور ہوئے جب   خوب بھنی پھر رنگا مستی   خوب ہوئی پھر کشتم کشتی
گرتے ہی نیچے آ رہے یار   سب نے کہا "وہ ٹوٹے تارے"

دیکھتے ہی دیکھتے نیند بھی آئی   آنکھ کھلی تو دیا دکھائی   درہم برہم محفل ساری   مجلس پر تھی اداسی طاری

تمسے تھے بند کہ شبنم کے   اور سہمے ہوئے تو اہر کے تھے   چاندکی صورت لال لبھو کا   کچھ نہ پتا تھا جام و سبو کا
قصۂ شب یہ داپیچ میں   ایسا کچھ بیرہایا جی میں   کھنکے پیچ و تاب امید   ہو گیا وہ غرق آب امید
ہاتھ میں لیکر پرچم زرتار   نکلا وہ خورشید درخشان   نسیم سحر نے سب کو جگایا   سب کا زنیفہ یاد دلایا
چتیانی لنگا پریل آیا   بلبل نے گلشن میں گل آیا   مرغان چمن نے نغمے گائے   عروان چمن نے چہرے لگائے
پنڈت اور پجاری اٹھو   بید جی اور بھائی اٹھے   مولوی اور نمازی اٹھے   عجمی اٹھے تازی اٹھے
بعضے منہ کو بنانے اٹھے   کچھ سر پیٹتے بجاتے اٹھے

یہ تو تمہید بیان ہے ساقی   سن جو راز نہان ہے ساقی   بادہ تراخمخانہ ساقی   بادہ ترا مینخانہ ساقی
بادہ سے جو یہ علم کی بہتی   تشنہ لبوں کی پیاس ہے بجھتی   معدن علم مدرسہ پٹنہ[1]   جس کا رہے گا آبہ یلی
ساقی وہاں تھا پی سی مکڑی[2]   ملی وہ عبد الکریم کو کرسی[3]   عبد الرزاق[4] و مسٹر بلنجی[5]   ونکی مجھپہ عنایت بہت تھی
عبد الرحیم[6] و بھوانی پرشاد[7]   ثالث بالخیر و رابع ہیں[?]   ماسٹر نواب[8] میرے کرم   سکند پنڈت[9] بھی ہیں مکرم
منشی منیر ذی کرم ہیں   میرے جناب محترم ہیں   صدر مکارم اور اشفاق   مخزن محاسن اور اخلاق
مولانا کبیر سا سخنداں   لاریب ہے عندلیب دوراں[10]   کان عطا و بحر ذخار   دریائے سخا و کان زرکار
مجمع فضل الفضائل   میرے آگے سحبان وائل   طوطی فصاحت بانے جنکی   ماتہ بلاغت جانے جنکی
علم والے جہان مولوی السید   چھوڑوں الٰہی یہ بیٹھ   لیکن یہی ہی ہے مروت   باقی نہیں کی ہے مروت
ہے وقت وداع قریب اپنی   لائے وہ سب ...   کچھ اسے دعا کروں میں ساقی   جب تلک ہے جہاں میں علم باقی
شاہ خاور میں کوئی ہے   سہ خطر میں ... ہے   ...نہ قلم کی ہے حکومت   جب تلک کہ خدا کی ہو گی رحمت
ہو علم کا واں چراغ روشن   واں کے پودے ہوں گلشن   ... کا یا ایسے   جاری رہے یہ فضل باری

زیں بہار روح پرور بلبل دل شاد باد   یارب این معمورہ امید ما آباد باد

---

[1] ضلع پٹنہ کا ایک سب ڈویژن جہاں مصنف انشاء ... کی قبر ہے ... سنہ ... سے ... کا سلسلہ تعلیم جاری ہے ۱۲
[2] بیلی ہائی انگلش سکول ... S.S. Barhy ... 3 ... H. E. S. ... ہوا ... یادگار سر ... مل S.S.
سابق نواب لفٹننٹ گورنر بنگال قائم کی ہے [3] سابق ہیڈ ماسٹر ... مولوی عبد الکریم صاحب بی اے ... موجودہ ہیڈ ماسٹر [4] مولوی عبد الرزاق
[5] مرحوم مسٹر ضیاء الدین احمد بلنجی [6] سابق سکنڈ ماسٹر [7] مولوی عبد الرحیم صاحب تھرڈ ماسٹر [8] ... گہر ... سے ... شد
[9] تھرڈ ماسٹر [10] شکنتہ ماسٹر ... [11] ... مستعفی ... لائف ... جناب مولانا مولوی محمد کبیر صاحب تخلص ... بلنگ ... مولوی ۱۲

ولایت ... کی

دماغی ... طاقت ... دوا ...

[illegible]

دماغ کو ... [illegible]

[illegible]

کیپسول

[illegible]

... کا ...

[illegible]

[illegible]

[illegible]